الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی و علمی ترجمان

ماہ نامہ

اشرفیہ

مبارک پور

نومبر
2025

حافظِ ملت
رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

قلت طعام، قلت منام اور قلت کلام پر بھی حافظ ملت سختی سے عامل تھے۔ فضول گفتگو، بلند آواز سے باتیں کرنا ایسا لگتا ہے کہ جانتے ہی نہیں۔ ہر وقت ذکرِ الٰہی آپ کی عادت کریمہ تھی، زیادہ تر قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول رہتے، اسی کو ایک حدیث میں افضلِ اعمال بتایا گیا ہے۔ حافظ ملت اسی کے عادی اور عامل تھے۔ یہ تھی حضور حافظ ملت کی زاہدانہ اور عارفانہ زندگی جس کی ایک ایک ادا ہمارے لیے درس عبرت و نمونہ عمل ہے۔ لہٰذا حافظ ملت صرف درس گاہ کے بادشاہ نہ تھے، فکر و عمل، زہد و تقویٰ اور عارفانہ زندگی کے بھی عامل تھے۔ رب کائنات ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

مبارک حسین مصباحی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبد العزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی و علمی ترجمان

ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور

زیر سرپرستی

عزیز ملت حضرت علامہ شاہ
عبد الحفیظ عزیزی
سربراہِ اعلیٰ
الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

THE ASHRAFIA MONTHLY Mubarakpur. Azamgarh (U.P.) India. 276404

جلد نمبر 50 شمارہ 11 | نومبر 2025ء | جمادی الاول 1447ھ

مجلس ادارت

مدیر اعلیٰ : مبارک حسین مصباحی
منیجر : محمد محبوب عزیزی
تزئین کار : مہتاب پیامی

مجلس مشاورت

مولانا محمد احمد مصباحی
مفتی محمد نظام الدین رضوی
مولانا محمد ادریس بستوی
مولانا محمد عبد المبین نعمانی

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ

دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور اعظم گڑھ یو۔ پی۔ ۲۷۶۴۰۴

+91 9935162520 (Manager)

زرِتعاون

قیمت عام شمارہ: 30 روپے
سالانہ (بذریعہ سادہ ڈاک) 300 روپے
سالانہ (بذریعہ رجسٹری) 600 روپے

سری لنکا، بنگلا دیش، پاکستان، سالانہ
750 روپے
دیگر بیرونی ممالک
$25 امریکی ڈالر £20 پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org
Email : ashrafiamonthly@gmail.com
mubarakmisbahi@gmail.com
info@aljamiatulashrafia.org

BHIM
BHIM UPI Payments Accepted at
ASHRAFIA MONTHLY

ASHRAFIA MONTHLY
A/c No. 3672174629
Central Bank Of India
Branch : Mubarakpur IFSC : CBIN0284532

اکاؤنٹ میں رقم جمع کرنے کے بعد آفس کے نمبر پر فون کریں
یا بذریعہ ڈاک مطلع کریں۔ (منیجر)

مولانا محمد ادریس بستوی نے فیضی کمپیوٹر گرافکس، گورکھ پور سے چھپوا کر دفتر ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

مشمولات

اداریہ		یوم اطفال اور اسلام میں بچوں کے حقوق	مہتاب پیامی	5
قرآنیات	تفہیم قرآن	مونث سماعی (آخری قسط)	مولانا محمد حبیب اللہ بیگ ازہری	10
فقہیات	آپ کے مسائل	کیا فرماتے ہیں.....؟	مفتی محمد نظام الدین رضوی	12
نظریات	فکر امروز	اہانت رسول ناقابل معافی جرم ہے	محمد مصطفیٰ کعبی ازہری	14
اسلامیات	شعائر	ہمارے راستے اور ہم	مفتی ڈاکٹر محمد سبطین رضا مرتضوی	17
شخصیات	انوار حیات	حضرت صدر الافاضل کی چند خصوصیات	مولانا محمد عبد المبین نعمانی	20
عزیزیات	عرفان و آگہی	حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی عارفانہ زندگی	مولانا محمد عبد المبین نعمانی	23
سیاسیات	آئینۂ وطن	اب نصابی کتابوں میں بھی زعفرانی رنگ	مولانا محمد شہاب الدین رضوی	27
تاریخیات	یاد ماضی	اسلام کا نظام حِسبہ	ابو التمش اعظمی	32
طبیات	حفظان صحت	خارش، جلن اور بے چینی کی نہ ختم ہونے والی جنگ	ڈاکٹر ام فرح	35
بزم خواتین	چراغ خانہ	بیٹی کا ایمان نسلوں کی پہچان	سلمیٰ شاہین امجدی	54
بزم دانش	فکر و نظر	حافظ ملت علیہ الرحمہ کے امتیازات	حافظ افتخار احمد قادری/مفتی محمد اعظم مصباحی	38
ادبیات	گوشۂ ادب	الذکر المختصر فی القطب المزدہر	مولانا محمد طفیل احمد مصباحی	46
	نقد و نظر	جہانِ حافظ ملت (۲)	تبصرہ نگار: مہتاب پیامی	49
مکتوبات	صدائے بازگشت	❁ محمد اظہر نور اعظمی ❁ ذوالنورین ❁ انیس الرحمٰن حنفی رضوی		52
سرگرمیاں	عالمی خبریں	❁ غزہ جنگ بندی ❁ غزہ میں امن کا مطلب		55
	خیر و خبر	چالیسواں عرس رفیقی		57
منظومات	خیابانِ حرم	نعت و منقبت --- ❁ جمال کاکوی ❁ محمد سلطان ❁ توفیق احسن برکاتی		58

اداریـــــــہ

یومِ اطفال اور اسلام میں بچوں کے حقوق

اسلام میں ہر دن بچوں کا دن ہے

مہتاب پیامی

ہندوستانی منظر نامے پر ۱۴/ نومبر ایک ایسا دن ہے جسے ہر سال یوم اطفال کی شکل میں منایا جاتا ہے۔اصل میں یہ دن ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کی یادگار ہے۔کہا جاتا ہے کہ پنڈت نہرو بچوں سے بہت محبت رکھتے تھے اور انھیں ملک کا مستقبل کہا کرتے تھے۔ابتدائی طور پر ہندوستان میں یومِ اطفال 1950ء کی دہائی میں 20 نومبر کو منایا جاتا تھا، جو اقوامِ متحدہ کے اعلان کردہ "Children's Day" کی تاریخ تھی۔لیکن 1964ء میں پنڈت نہرو کے انتقال کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ ان کی یاد میں یہ دن 14 نومبر کو منایا جائے۔تب سے اب تک اسی تاریخ میں یہ اہم دن منایا جاتا ہے۔اس دن اسکولوں میں قہقہے گونجتے ہیں، رنگ برنگے ربن، تحفے اور تقریریں بچوں کو یہ باور کراتے ہیں کہ آج کا دن صرف انھی کے نام ہے۔لیکن سوال یہ ہے: کیا محبت اور شفقت کی یہ چھاؤں صرف ایک دن کے لیے مخصوص ہے؟ ہاں! ہندوستان میں تو بس ایک ہی دن کے لیے مخصوص ہے، آنے والے پندرہ نومبر کو ساری دنیا پھر اپنے روز مرہ کے کاموں میں مشغول ہو جائے گی۔لیکن اگر یہی سوال دینِ اسلام سے کیا جائے تو جواب آئے گا یہ یومِ اطفال کوئی عارضی جشن نہیں ہے بلکہ اسلام میں تو ہر دن بچوں کا دن ہے۔

اسلام میں بچوں کے حقوق:

دیکھا جائے تو اسلامی قانون نے بچوں کو خاص توجہ کا مرکز بنایا ہے، ان کے لیے ایسے حقوق قائم کیے ہیں جو انھیں باوقار زندگی کی ضمانت دیتے ہیں۔ہم ذیل کی سطور میں انھی حقوق پر۔

بچپن کی نازک نوعیت کی وجہ سے، تمام الہامی مذاہب، ترقی یافتہ انسانی تہذیبوں، اور ملکوں مثبت قوانین نے بچوں کی نشو و نما کے لیے موزوں ماحول فراہم کرنے پر توجہ مرکوز کی ہے۔جو قومیں اور لوگ اپنے بچوں کی دیکھ بھال کرنے، ان کی مادی، نفسیاتی اور معاشرتی ضروریات کو پورا کرنے اور اخلاقی بنیادوں پر ان کی زندگی استوار کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں، ان کی نئی نسلوں کے دل و دماغ صلاحیتوں کے خزانوں سے مالا مال ہوتے ہیں۔دوسری جنگ عظیم کے بعد دنیا بھر میں انسانی حقوق کے تحفظ اور انسانیت کے احترام میں غیر معمولی دلچسپی دیکھنے میں آئی ہے۔مختلف قانون سازیوں اور بین الاقوامی معاہدوں سے واضح ہوتا ہے کہ جو ممالک انسانی حقوق کا احترام کرنے کے پابند ہوتے ہیں وہاں ترقی کا بگل ضرور بجتا ہے۔لیکن یہ قابلِ توجہ امر ہے کہ آج دنیا جس چیز کو "انسانیت" اور "انسانی حقوق" سے تعبیر کرتی ہے اس کی بنیاد تو ڈیڑھ ہزار سال پہلے ہی مکہ اور مدینہ میں ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھ دی تھی۔ہمارے آقا نے نہ صرف عمومی انسانی حقوق کا منشور دنیا کے سامنے پیش فرمایا بلکہ خاص طور سے بچوں کے حقوق اور ضمانتوں کے جو روشن مینار تعمیر فرمائے ان کا اُجالا ساری دنیا میں بحسن و خوبی دیکھا جا سکتا ہے۔آپ نے مختلف اسلامی دفعات کے ذریعہ انسانوں کو مخاطب کرتے ہوئے انھیں ان حقوق کی ادائیگی کا پابند بنایا بلکہ اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کے لیے دنیا اور آخرت کے خسارے کا ڈر بھی سنایا۔

Contact: 9235647041, payamee@gmail.com

اسلامی قانون میں بچے کے حقوق بے شمار اور کثیر ہیں۔ ان کی حفاظت کے لیے، اسلام نے خاص طور پر ماؤں کو کچھ ذمہ داریاں عطا کیں، جنھیں وہ دوسروں کے مقابلے میں پورا کرنے کی زیادہ صلاحیت رکھتی ہیں۔ اسلام نے باپ کو بھی بعض اہم امور کا ذمہ دار بنایا کیوں کہ وہ انھیں پورا کرنے کے زیادہ اہل ہیں، اس کے علاوہ سرپرستوں اور حکمرانوں کے ذمہ بھی کچھ کام لگائے تاکہ ایک مہذب معاشرہ تشکیل پا سکے۔ اسلامی ریاست کو پر ذمہ دار بنایا گیا کہ وہ ان لوگوں کی مدد کرے جن کے پاس کوئی کمانے والا نہیں ہے۔ اس درست اور متوازن تقسیم میں، اسلامی قانون نے بچے کے بہترین مفادات پر توجہ مرکوز کی، انھیں مستقبل کا انسان اور آنے والے کل کا خزانہ سمجھا۔

اسلامی قانون نے بچوں کو مادی اور اخلاقی حقوق کا پابند کیا جو ان کی پیدائش سے پہلے اور ان کی پرورش کے ساتھ ہوتے ہیں۔ ان حقوق کا مقصد ان کے جسم اور صحت کو محفوظ رکھنا، ان کے دماغ کی نشوونما، ان کے ضمیر کو زندہ کرنا اور ان کے اخلاق کو بہتر بنانا ہے یہاں تک کہ وہ بلوغت کو پہنچ جائیں اور ایمان اور اعمال صالحہ کے مذہبی فریضے کی ذمہ داری اٹھائیں، اس طرح وہ کائنات کی ترقی اور اپنی قوم کی بھلائی میں حصہ ڈالیں۔

بچوں کے لیے والدین کے فرائض کو اسلامی اخلاق کے ساتھ ان کی پرورش کرنے کے لیے متعیّن کیا گیا، معلم پر فرض کیا گیا کہ وہ بچے کی ذہنی پرورش کرے۔ صالح اولاد کے حصول کے لیے سب سے پہلے نکاح کی شرط عائد کی گئی، پھر نکاح کے لیے جو امور قابلِ توجہ ہیں ان کی نشان دہی فرمائی گئی، چناں چہ ارشادِ ربانی ہے:

وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَ لَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَ لَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَ لَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ (البقرہ:221)

یعنی "اور مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں، اور یقیناً ایک مومنہ لونڈی مشرکہ عورت سے بہتر ہے، خواہ وہ تمھیں (ظاہری حسن ومال وغیرہ کے اعتبار سے) پسند ہی کیوں نہ آئے۔ اور مشرک مردوں سے (اپنی عورتوں کا) نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں، اور یقیناً ایک مؤمن غلام مشرک مرد سے بہتر ہے، خواہ وہ تمھیں (اپنی شان ودولت وغیرہ سے) پسند ہی کیوں نہ آئے۔"

رسول اکرم اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ تُنْكَحُ النِّسَاءُ لِأَرْبَعٍ: لِمَالِهَا، وَلِحَسَبِهَا، وَلِجَمَالِهَا، وَلِدِينِهَا، فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ، تَرِبَتْ يَدَاكَ. (ابن ماجہ:ح1858)

یعنی عورتوں سے چار چیزوں کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے: (کسی سے) اس کے مال کی وجہ سے، (کسی سے) اس کے حسب و نسب کی وجہ سے، (کسی سے) اس کے حسن وجمال کی وجہ سے، (کسی سے) اس کی دینداری (اور نیکی) کی وجہ سے۔ تو دین دار عورت (کے حصول میں) کامیاب ہوجا۔

جس طرح اسلام صالح بیوی کے انتخاب کو بہت اہمیت دیتا ہے، اسی طرح صالح مرد کو ترجیح دینے کی ضرورت پر بھی زور دیتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عَنْ أَبِي حَاتِمٍ الْمُزَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَاءَكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ فَأَنْكِحُوهُ إِلَّا تَفْعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ وَإِنْ كَانَ فِيهِ قَالَ إِذَا جَاءَكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ فَأَنْكِحُوهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ". (جامع الترمذی:1985)

ابو حاتم مزنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمھارے پاس جب کوئی ایسا شخص (نکاح کا پیغام لے کر) آئے، جس کی دین داری اور اخلاق سے تم مطمئن ہو تو اس سے نکاح کردو۔ اگر ایسا نہیں کروگے تو زمین میں فتنہ اور فساد برپا ہوگا۔

لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم !اگر اس میں کچھ ہو؟ آپ نے تین بار یہی فرمایا کہ جب تمھارے پاس کوئی ایسا شخص آئے جس کی دین داری اور اخلاق سے تم مطمئن ہو تو اس سے نکاح کر دو ۔

آج کی دنیا میں بین الاقوامی دستاویزات اور معاہدے بچے کو اس کی پیدائش کے دن سے حقوق کا ایک مجموعہ دینے کے خواہاں ہیں جب کہ ہماری اسلامی شریعت بچے کی ولادت سے پہلے ہی اس کے حقوق کی باتیں کرتی ہے بچہ جب اپنی ماں کے شکم میں ہوتا ہے تو اس کے جینے کے حق کی توثیق کرتی ہے اور حاملہ ماں کی دیکھ بھال کی خواہاں ہوتی ہے۔

حق کہتے کسے ہیں؟ حق وہ ہے جو شریعت میں انسان کے لیے یا اللہ تعالیٰ کے لیے (دوسروں پر) قائم ہے، یعنی یہ وہ سب کچھ ہے جس پر شریعت نے انسان کو اختیار دیا ہے۔ اور تمام حقوق کا ماخذ الوہی قانون ہے یا جو اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمایا۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو حقوق وہ ہیں جن میں تمام انسانوں کی بھلائی ان کے عمومی فریم ورک کے اندر اور حقیقی معنوں میں پائی جاتی ہے۔ بچوں کے چند مخصوص حقوق درج ذیل ہیں:

(1) جان کا حق: اسلامی قانون کی بنیاد انسانی جان کی حفاظت اور اس کے تحفظ کی ذمہ داری ہے اور کسی بھی عمل یا ذریعہ سے اس کے خلاف جارحیت کی ممانعت ہے جب تک کہ کوئی جائز وجہ نہ ہو۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ایک جان کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیا ہے اور ایک جان کی نجات کو پوری انسانیت کی جان بچانے کے مترادف۔ اسلام نے ہر اس عمل کو حرام قرار دیا ہے جو زندگی کے حق سے منحرف ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مشہور خطبہ میں فرمایا: ”تمھارا خون، تمھارا مال اور تمھاری عزتیں ایک دوسرے کے لیے حرمت والے ہیں“۔

جان کا حق انسانی وجود کا سب سے قریبی تعلق سمجھا جاتا ہے اور یہ اس کے لیے ایک فطری حق ہے اور خالق کی نعمتوں میں سے ہے، اس کی شان ہے، لیکن تاریخ کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ بعض تہذیبیں انسان کو اس حق سے محروم کر دیتی تھیں۔ قدیم زمانے میں لوگ اس حق کو اہمیت نہیں دیتے تھے اور غربت یا شرمندگی کے خوف سے بچوں کی جان لے لیتے تھے۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”اپنی اولاد کو غربت کے خوف سے قتل نہ کرو، ہم تمھیں اور ان کو رزق دیتے ہیں۔“ (الانعام:151)

(2) نسب کا حق: جب اسلامی قانون نے بچے کو زندہ رہنے کے حق کی ضمانت دی تو اس نے اسے اپنے باپ سے نسب اور وابستگی کے حق کی ضمانت بھی دی ہے تاکہ وہ جہالت کا شکار نہ ہو اور اس طرح کفالت اور وراثت جیسے دیگر حقوق سے محروم نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”انھیں ان کے والد کے ناموں سے پکارو، یہ خدا کے نزدیک زیادہ درست ہے“۔ (الاحزاب:5)

اسلام نے نسب کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے یا کسی بچے کو اس کے والد کے علاوہ کسی اور سے منسوب کرنے کی کوشش کرنے سے بھی منع کیا اور اس کے لیے سخت سزا مقرر کی۔ اولاد کا نسب قائم کرنا نہ صرف اس کا حق ہے بلکہ ماں اور باپ کا بھی حق ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا حق بھی ہے۔ یہ باپ کا حق ہے کیوں کہ یہ اس کا حق ہے کہ وہ اپنے بچے کو ضائع ہونے سے بچاتا ہے، اور اس لیے کہ اس کے نسب کو قائم کرنے میں دیگر حقوق شامل ہیں، جیسے کہ جب وہ جوان ہے تو اس کی سرپرستی کا حق، جب وہ اپنے بیٹے کی ضرورت ہو تو اس کی کفالت کا حق، اور اگر وہ اس سے پہلے فوت ہو جائے تو اس کی جائیداد سے وراثت کا حق۔ یہ ماں کا بھی حق ہے، کیوں کہ یہ اس کا حق ہے کہ وہ زنا کے الزام کے خلاف اپنا دفاع کرے اور اپنے بیٹے کو ضائع ہونے سے بچائے۔ نیز، ماں کے لیے نسب قائم کرنے میں حقوق شامل ہیں، جیسے کہ بچے کی اس سے وراثت اور اس کی طرف سے اس کی وراثت، اور اس کی نااہلی کی صورت میں اس کی حمایت کا حق اور اس کی کفالت کی صلاحیت۔

(3) دودھ پلانے کا حق: ماہرین سماجیات اور ڈاکٹر اس بات پر متفق ہیں کہ ماں اپنے بچے کے سب سے زیادہ قریب ہوتی ہے اور اس کا دودھ اس کے لیے بہترین غذا ہے۔ بچوں سے متعلق بین الاقوامی تنظیموں نے پوری دنیا کی ماؤں سے دودھ پلانے کی طرف واپس آنے کا مطالبہ کیا ہے کیوں کہ اس سے بچے کی صحت، نشو ونما اور نفسیات پر بہت زیادہ اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اسلامی قانون ماؤں کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو مکمل دو سال تک دودھ پلائیں ان لوگوں کے لیے جو دودھ پلانا مکمل کرنا چاہتی ہیں۔

(4) کفالت کا حق: یہ حق اسلامی قانون میں بچوں کے والدین پر قائم کردہ حقوق میں سے ایک ہے۔ فقہانے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ ایک شخص پر اپنے بچوں کی کفالت کرنا واجب ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”جس کے پاس کثرت ہے وہ اپنی کثرت سے خرچ کرے اور جس کا رزق تنگ ہو وہ اس میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے، اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا، اللہ سختی کے بعد آسانی پیدا کرتا ہے۔“ (الطلاق:7)

حدیث میں آیا ہے کہ انصار میں سے ایک شخص فوت ہوا، اپنے پیچھے چھوٹے بچے چھوڑ گیا۔ اس نے اپنی موت سے پہلے پاس میں جو مال تھا اسے خدا کی عبادت اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی نیت سے خرچ کر دیا، جس کی وجہ سے اس کے بچے محتاجی اور غربت کا شکار ہو گئے۔ جب یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے اپنی قوم سے فرمایا: تم نے اس کے ساتھ کیا کیا ؟ انھوں نے کہا: ہم نے اسے دفن کر دیا۔ انھوں نے کہا: اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں مسلمانوں کے ساتھ دفن نہ کرنے دیتا۔ اس نے اپنے بیٹے کو لوگوں سے بھیک مانگنے کے لیے چھوڑ دیا۔

بچوں کے حقوق کے کنونشن کے آرٹیکل (27) میں بچے کو اپنی جائیداد سے حصہ فراہم کرنے کی ذمہ داری کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اس آرٹیکل کا پہلا پیراگراف ہر بچے کی جسمانی، ذہنی، روحانی، اخلاقی اور سماجی ترقی کے لیے موزوں معیار زندگی کے حق کو تسلیم کرتا ہے۔ اسی مضمون کا دوسرا پیراگراف بنیادی ذمہ داری والدین پر ڈالتا ہے، یا ان میں سے ایک، یا بچے کے لیے ذمہ دار دوسرے افراد، اپنی مالی صلاحیتوں کی حدود کے اندر، بچے کے لیے ضروری حالات زندگی فراہم کریں۔

یہ تسلیم شدہ امر ہے کہ باپ کو اپنے گھر والوں کے لیے سخاوت کرنے اور اپنی اولاد پر خرچ کرنے کا ثواب اور اجر ہے، لیکن اگر وہ کھانے پینے کی استطاعت رکھنے کے باوجود اپنے اہل و عیال اور بچوں پر خرچ کرنے سے باز رہے تو وہ یقیناً گناہ گار ہے۔

پھر اسلام کفالت کی مد میں یہ اضافہ کرتا ہے کہ اگر والدین اپنے بچوں کی کفالت کرنے سے قاصر ہیں تو ان کی کفالت اور تعلیم و تربیت کی ذمہ دار اسلامی ریاست ہے۔

(5) تعلیم کا حق: اسلام نے حصولِ علم کی تاکید کی ہے اور اسے ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض قرار دیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جس نے اپنے بچے کو وہ بات سکھانے میں کوتاہی کی جو اس کو فائدہ پہنچاتی تو اس نے اس پر بہت ظلم کیا ہے۔ آج ہم اپنے معاشرے میں اس بات کا مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ کتنے ایسے والدین ہیں جنھوں نے اپنے بچوں کو دنیا اور آخرت کی بھلائی سے محروم کر کے انھیں دنیا و آخرت دونوں میں تباہی سے دوچار کیا ہے ؟ یہ سب والدین کی خدا کے حقوق سے غفلت، ان کی نظر اندازی، اور اللہ کی طرف سے ان پر مفید علم اور اعمال صالحہ کے واجب ہونے سے روگردانی کا نتیجہ ہے۔

انسانی حقوق کی زیادہ تر دستاویزات میں بچے کے کم از کم تعلیم کے حق پر ضرور توجہ دی گئی ہے، اور اس حق کو بچے کے سات بنیادی حقوق میں سے ایک سمجھا گیا ہے۔ اقوام متحدہ کی دفعہ (89) 1959 میں کہا گیا ہے کہ بچے کو تعلیم کا حق حاصل ہے، اور کم از کم ابتدائی

مراحل میں تعلیم مفت اور لازمی ہوگی، تاکہ بچے کو اس کی ذمہ داری کا احساس ہو سکے اور وہ معاشرے کا ایک کارآمد رکن بن سکے۔

(6) بچوں کے ساتھ کھیلنا: سماجی نفسیات کے مطالعے نے بچوں کے لیے کھیل کی اہمیت کو ثابت کیا ہے۔ کھیل بچوں کو ذمہ داریوں، پابندیوں، مایوسی، اور احکامات اور ممانعتوں سے بھری حقیقت سے آزاد ہونے کا ایک منفرد موقع فراہم کرتا ہے۔ یہ بچوں کو نیا علم حاصل کرنے کا موقع بھی فراہم کرتا ہے۔ مزید، یہ انہیں تنازعات سے بچنے کی ترغیب دیتا ہے۔ کھیلنے کا حق ایسا ہے کہ اسلامی قانون نے سب سے پہلے بچوں کے لیے اس کو تسلیم کیا۔ شریعت واضح طور پر اس حق کو لازمی قرار دیتی ہے اور مسلمانوں سے بچوں کے کھیلنے کے حق کو تسلیم کرنے پر زور بھی دیتی ہے۔ علما نے اپنی کتابوں میں ''بچوں کی طرح کام کرنے اور ان کے ساتھ کھیلنے کی خواہش'' کے عنوان سے متعدّد نصوص کا حوالہ دیا ہے، جو اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ بچوں کے ساتھ کھیلنا اسلامی قانون میں مطلوب ہے۔

اسلام کے دیے گئے اس حق کو بچوں کے حقوق کے کنونشن نے تسلیم کیا۔ کنونشن کے آرٹیکل 31 میں کہا گیا ہے: ''مملکتیں بچے کے آرام اور تفریح، بچے کی عمر کے مطابق کھیل اور تفریحی سرگرمیوں میں مشغول ہونے اور ثقافتی زندگی اور فنون میں آزادانہ طور پر حصہ لینے کے حق کو تسلیم کرتی ہیں۔''

ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام، کسی بھی دوسرے مذہب سے پہلے، بچے کی زندگی کے اس پہلو پر خصوصی توجہ دیتا ہے۔ ہمارے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہی ایک حدیث ہی کافی ہے کہ، حضرت عائشہ نے فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں گڑیوں سے کھیلتی تھی اور میری سہیلیاں بھی تھیں جو میرے ساتھ کھیلتی تھیں۔

(7) بچوں کے ساتھ انصاف اور مساوی سلوک کا حق: اسلام بچوں کے ساتھ یکساں سلوک کا طرف دار ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی اولاد کے درمیان عدل کرو۔'' حضور کی اس حدیث سے بیٹیوں پر بیٹوں کو ترجیح، چھوٹے بہن بھائیوں پر بڑوں کی ترجیح کی نفی ہوتی ہے۔ اگر اسلامی معاشرے میں ایسے والدین پائے جاتے ہیں جو لڑکوں اور لڑکیوں کو امتیازی نظروں سے دیکھتے ہیں، تو اس کی وجہ وہ کرپٹ ماحول ہے جس میں ان کی پرورش کافرانہ رسوم و رواج کے ساتھ ہوتی ہے۔ اسلام، مکمل مساوات اور جامع انصاف کے اپنے مطالبے کے ساتھ اس قسم کی کسی بھی ترجیح و تخصیص کی بالکل بھی حمایت نہیں کرتا۔ مسلم شریف کی حدیث ہے، حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میرے والد مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے اور کہا: اے اللہ کے رسول، گواہ رہنا کہ میں نے نعمان کو فلاں مال دیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے اپنے تمام بیٹوں کو بھی وہی دیا ہے جیسا کہ تم نے نعمان کو دیا تھا؟ اس نے کہا: نہیں۔ تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنے بچوں کے ساتھ انصاف کرو۔

بچوں کے درمیان نابرابری اور تفریق ان کے درمیان نفرت اور بغض اور خاندانی رشتوں کو توڑنے کا باعث بنتی ہے۔ بچے دراصل وہ امانت ہیں جو خالق ارض و سماوات نے ہمارے سپرد کی ہے۔ ان کے حقوق کی حفاظت محض ایک سماجی تقاضا نہیں بلکہ ہماری دینی و اخلاقی ذمہ داری بھی ہے۔ جب تک ہم اس امانت کا حق ادا نہیں کرتے، نہ ہماری عبادتیں مکمل ہوتی ہیں اور نہ ہی ہمارا معاشرہ حقیقی سکون کی دولت سے ہم کنار ہو سکتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ بچوں کے مسکراتے چہرے ہی ہماری تہذیب کی بقا اور مستقبل کی روشنی ہیں۔ اگر ہم نے ان کے حقوق ضائع کیے تو گویا ہم نے اپنی آنے والی نسلوں کو اندھیروں کے حوالے کر دیا۔ لہٰذا آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی ترجیحات پر نظر ثانی کریں اور بچوں کے حق کو عبادت سمجھ کر ادا کریں، تاکہ کل کا معاشرہ ایمان، انصاف اور انسانیت کی خوشبو سے مہکتا ہوا دکھائی دے۔ (آمین) ■■■

تفہیم قرآن 4

مؤنث سماعی

محمد حبیب اللہ بیگ ازہری

اس آیت مبارکہ میں "اَنۡ یَّعۡبُدُوۡهَا" میں جو ضمیر مؤنث ہے؛ وہ طاغوت کی جانب راجع ہے اور یہاں طاغوت سے مراد بت ہے۔ ان دونوں آیات میں مذکور ضمیر عائد پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ طاغوت کو اس کے معنی مراد اور مصداق کے لحاظ سے مذکر و مؤنث استعمال کیا جاتا ہے، مذکر کے لیے بولا جائے تو مذکر اور مؤنث کے لیے بولا جائے تو مؤنث ہوگا۔

العصا: اس کا معنی ہے: لاٹھی، اس کی جمع "عصي" ہے، عصا مؤنث ہے، ارشاد باری ہے: وَ مَا تِلۡكَ بِيَمِيۡنِكَ يٰمُوۡسٰى. قَالَ هِيَ عَصَايَ اَتَوَكَّؤُا عَلَيۡهَا وَ اَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيۡ وَ لِيَ فِيۡهَا مَاٰرِبُ اُخۡرٰى. [طٰہٰ:17-18]

ترجمہ: اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا: اے موسیٰ! تمھارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ فرمایا: یہ میرا عصا ہے، اسی پر ٹیک لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے اور بھی فائدے ہیں۔

ان آیات کے مطابق "عصا" مؤنث ہے؛ کیوں کہ اس میں "عصا" کے لیے اسم اشارہ مؤنث لایا گیا ہے، ساتھ ہی "عصا" کی جانب راجع تمام ضمیریں مؤنث لائی گئی ہیں۔ **العنکبوت:** اس کا معنی مکڑی ہے، اس کی جمع "عناکب" ہے، یہ مؤنث ہے، اور کبھی مذکر کے لیے بھی بولا جاتا ہے، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

مَثَلُ الَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡلِيَآءَ كَمَثَلِ الۡعَنۡكَبُوۡتِ ۚ اِتَّخَذَتۡ بَيۡتًا ؕ وَ اِنَّ اَوۡهَنَ الۡبُيُوۡتِ لَبَيۡتُ الۡعَنۡكَبُوۡتِ ۘ لَوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ. [العنکبوت:41]

ترجمہ: غیر اللہ کی بندگی کرنے والوں کی مثال مکڑی کی سی ہے جو اپنے لیے گھر بناتی ہے اور انتہائی کم زور گھر بناتی ہے، لوگ اس حقیقت کو سمجھتے تو غیر اللہ کی بندگی سے باز آجاتے۔

اس آیت میں "عنکبوت" کے لیے "اتخذت" مؤنث کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے، جس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ "عنکبوت" مؤنث ہے۔

العیر: اس کا معنی قافلہ ہے اور یہ مؤنث ہے، قرآن کریم میں ہے: وَ لَمَّا فَصَلَتِ الۡعِيۡرُ قَالَ اَبُوۡهُمۡ اِنِّيۡ لَاَجِدُ رِيۡحَ يُوۡسُفَ لَوۡ لَاۤ اَنۡ تُفَنِّدُوۡنِ. [یوسف:94]

ترجمہ: جب قافلہ مصر سے روانہ ہوا تو ان کے باپ یعقوب نے کہا: بجا طور پر مجھے یوسف کی خوشبو آرہی ہے، اگر تم مجھے یہ نہ کہو کہ بڑھاپے کے باعث عقل ماؤف ہو چکی ہے تو ضرور تم میری تصدیق کروگے۔

اس آیت مبارکہ میں "العیر" کے لیے "فَصَلَتِ" مؤنث کا صیغہ لایا گیا ہے، جو اس بات پر واضح دلیل ہے کہ عربی زبان میں لفظ "العیر" مؤنث استعمال ہوتا ہے۔

العین: اس کا مشہور معنی آنکھ اور پانی کا چشمہ ہے، عین ان دونوں معانی میں مؤنث ہوتا ہے، ارشاد باری ہے:

فِيۡهَا عَيۡنٌ جَارِيَةٌ. [الغاشیہ:12]

ترجمہ: جنت میں بہتے چشمے ہوں گے۔

اس آیت مبارکہ میں "العین" بمعنی چشمہ کی صفت "جَارِيَةٌ" مؤنث لائی گئی ہے، جو اس بات پر دلیل ہے کہ "عین" مؤنث ہوتا ہے۔

الفأس: اس کا معنی کلہاڑی ہے، اس کی جمع "أفؤس" اور "فئوس" ہے، اور یہ مؤنث ہے۔

الفخذ: خا کے سکون اور کسرہ کے ساتھ ران کے معنی میں آتا ہے اور مونث ہے۔

الفُلك: اس کا معنی کشتی ہے، یہ مذکر و مؤنث اور واحد وجمع کے لیے یکساں طور پر بولا جاتا ہے، ارشاد باری ہے:

وَ مِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنۡ يُّرۡسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّ لِيُذِيۡقَكُمۡ مِّنۡ رَّحۡمَتِهٖ وَ لِتَجۡرِيَ الۡفُلۡكُ بِاَمۡرِهٖ وَ

استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

لِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ وَ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ. [الروم:46]

اس آیت کے مطابق "الۡفُلۡكُ" مؤنث ہے؛ کیوں کہ اس کے لیے "تجری" فعل مؤنث آیا ہے، جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ کلمہ مؤنث ہے۔

ایک اور مقام پر فرمایا: هُوَ الَّذِیۡ یُسَیِّرُكُمۡ فِی الۡبَرِّ وَ الۡبَحۡرِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا كُنۡتُمۡ فِی الۡفُلۡكِ ۚ وَ جَرَیۡنَ بِهِمۡ بِرِیۡحٍ طَیِّبَةٍ وَّ فَرِحُوۡا بِهَا جَآءَتۡهَا رِیۡحٌ عَاصِفٌ۔ [یونس:22]

ترجمہ: اللہ وہی ہے جو خشکی اور تری میں چلاتا ہے، یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں سوار تھے اور کشتیاں ان سواروں کو لے کر روانہ ہوئیں، اور وہ اس پر خوش ہو رہے تھے تو ان پر تیز آندھی آ گئی۔

اس آیت کے مطابق "الفلك" جمع ہے؛ کیوں کہ یہاں "فلک" کے لیے "وَجَرَیۡنَ" جمع مونث کا صیغہ لایا گیا ہے۔

مذکورہ بالا شواہد سے واضح ہو جاتا ہے کہ لفظ "فلك" واحد بھی ہے اور جمع بھی، مذکر بھی ہے اور مؤنث بھی۔

القِدر: اس کا معنی ہانڈی ہے، اس کی جمع "قدور" ہے، اور یہ مؤنث سماعی ہے۔

القدم: اس کا معنی معلوم ہے، اور یہ مؤنث ہے، رب قدیر کا ارشاد ہے: وَ لَا تَتَّخِذُوۡۤا اَیۡمَانَكُمۡ دَخَلًۢا بَیۡنَكُمۡ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعۡدَ ثُبُوۡتِهَا. (النحل:94)

اس آیت کے مطابق "قدم" مؤنث ہے؛ کیوں کہ اس آیت میں "قدم" کے لیے "فَتَزِلَّ" فعل مؤنث لایا گیا ہے، ساتھ ہی "بَعۡدَ ثُبُوۡتِهَا" میں جو ضمیر مؤنث ذکر کی گئی ہے؛ وہ بھی قدم کی طرف راجع ہے، جس سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ عربی میں "قدم" مؤنث استعمال ہوتا ہے۔

الکأس: اس کا معنی پیالہ اور جام ہے، یہ مؤنث ہے، رب تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ یُسۡقَوۡنَ فِیۡهَا كَاۡسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنۡجَبِیۡلًا. [الانسان:17]

ترجمہ: اور جنت میں انھیں وہ جام پلایا جائے گا جس میں ادرک کی آمیزش ہوگی۔

اس آیت کے مطابق "کأس" مؤنث ہے؛ کیوں کہ "مِزَاجُهَا" میں جو ضمیر مؤنث ہے؛ وہ "کأس" کی جانب راجع ہے، جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ عربی میں لفظ "کأس" مؤنث استعمال ہوتا ہے۔

الکبد: اس کا معنی جگر ہے۔

الکتف: مونڈھے کے معنی میں آتا ہے۔

الکف: اس کا معنی ہتھیلی ہے، یہ تینوں کلمات مؤنث ہیں۔

النار: اس کا معنی آگ ہے، اور یہ مؤنث ہے، قرآن کریم کی متعدد آیات میں نار کے لیے مونث کی صیغے آئے ہیں، رب تعالیٰ کا ارشاد ہے: نَارُ اللّٰهِ الۡمُوۡقَدَةُ. الَّتِیۡ تَطَّلِعُ عَلَی الۡاَفۡـِٕدَةِ. [الھمزۃ:6-7]

ان آیات میں "نار" کی صفت "الۡمُوۡقَدَةُ" مؤنث لائی گئی ہے، اسی طرح اسم موصول اور صلہ بھی مؤنث لایا گیا ہے، یہ سب اس بات کو واضح کر رہے ہیں کہ لفظ "نار" مؤنث ہے۔

الید: اس کا معنی ہاتھ ہے، اور یہ مؤنث ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ قَالَتِ الۡیَهُوۡدُ یَدُ اللّٰهِ مَغۡلُوۡلَةٌ ؕ غُلَّتۡ اَیۡدِیۡهِمۡ وَ لُعِنُوۡا بِمَا قَالُوۡا ۘ بَلۡ یَدٰهُ مَبۡسُوۡطَتٰنِ ۙ یُنۡفِقُ كَیۡفَ یَشَآءُ. (المائدہ:64)

یعنی یہود نے کہا کہ اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ان یہود کے ہاتھ بندھ جائیں، اور ان کی اس بکواس کی وجہ سے ان پر اللہ کی لعنت ہے، اللہ کے دونوں دست کرم کشادہ ہیں، اللہ جیسے چاہتا ہے نوازتا ہے۔

اس آیت میں لفظ "ید" کئی مرتبہ آیا ہے، اور اس کے لیے ہر جگہ مؤنث کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے، جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ لفظ "ید" عربی زبان میں مؤنث استعمال ہوتا ہے۔

الیمین: اس کے دو معانی ہیں، ایک دایاں، اور دوسرے قسم، جب یمین بمعنی قسم ہو تو مؤنث ہوتا ہے۔

یہ عربی زبان کے ان کلمات کی فہرست ہے جن کو اہل زبان مؤنث استعمال کرتے ہیں، ان کلمات سے عربی زبان کے طالب علم کو واقف ہونا ضروری ہے، تاکہ عربی لکھنے اور بولنے کے دوران تذکیر و تانیث کی غلطیوں سے محفوظ رہ سکے۔

■■■

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

آپ کے مسائل

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ دین
سوال آپ بھی کر سکتے ہیں

مفتی محمد نظام الدین رضوی

عید گاہ کے اوپر چھت ڈالنے کا مسئلہ

سوال :السلام علیکم رحمۃ اللہ وبرکاتہ
حضرت آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے مسئلہ کا جواب ارسال فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ عید گاہ کے اوپر چھت ڈھالنا خلاف سنت ہے۔ لیکن اب یہاں مسئلہ کے دوسرے پہلو پر گفتگو چل رہا ہے کہ کیا عید گاہ میں چھت ڈھلنے کے بعد اس چھت کے اوپر جو بالکل کھلا ہوا میدان کی طرح رہے گا لوگ اس میں نماز عیدین ادا کریں گے نیز ضعیفوں اور بوڑھو کے پڑھنے کے واسطہ لفٹ کا بندوبست کر دیا جائے گا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس طرح عید گاہ کے اوپر چھت ڈھال کر اس کے اوپر جو بالکل کھلا ہوا میدان کی طرح ہے نماز عیدین ادا کرنا درست ہے یا اس میں بھی کوئی خرابی ہے؟ برائے مہربانی مسئلہ کا تشفی بخش جواب ارسال فرمائیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہو کہ اس عید گاہ میں شہر کے سارے لوگ نماز ادا کرتے ہیں لیکن اس کے اوپر چھت ڈھالنے کے سلسلے میں لوگ مختلف ہیں یعنی سارے لوگوں کی رائے چھت ڈھالنے کی نہیں ہے۔ بینوا اجروا۔

الجواب: حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت اور امت مسلمہ کا عمل واضح ہونے کے بعد اختلاف بے جا بات ہے۔ اس کے آگے سب کو سر تسلیم خم کرنا چاہیے۔
اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:
يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا ٱدْخُلُوا فِي ٱلسِّلْمِ كَآفَّةً
(القرآن الحکیم 2، سورۃ البقرہ 208)
ترجمہ: اے ایمان والو اسلام میں پورے داخل ہو۔

خزائن العرفان میں اس آیت کریمہ کا شان نزول بیان کرتے ہوئے صدر الافاضل علامہ سید نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں:

اہلِ کتاب میں سے عبید اللہ بن سلام اور ان کے اصحاب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے بعد شریعت موسوی کے بعض احکام پر قائم رہے شنبہ (ہفتہ کے دن) کی تعظیم کرتے، اس روز شکار سے اجتناب لازم جانتے، اور اونٹ کے دودھ اور گوشت سے پرہیز کرتے، اور یہ خیال کرتے کہ یہ چیزیں اسلام میں تو مباح ہیں، ان کا کرنا ضروری نہیں اور توریت میں ان سے اجتناب لازم کیا گیا ہے، تو ان کے ترک کرنے میں اسلام کی مخالفت بھی نہیں ہے اور شریعت موسوی پر عمل بھی ہوتا ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ارشاد فرمایا گیا کہ اسلام کے احکام کا پورا اتباع کرو یعنی توریت کے احکام منسوخ ہو گئے اب ان سے تمسک (یعنی ان پر عمل) نہ کرو۔ (خازن)

یہ قیامت تک کے تمام مسلمانوں کے لیے درس عبرت ہے۔ اور اس پر عمل ان کے لیے باعث نجاح و فلاح ہے۔

حکم واضح ہے کہ عید گاہ پر چھت ڈھالنا خلافِ سنت و خلافِ عمل امت ہے۔ البتہ اس کی کھلی ہوئی چھت پر نماز پڑھنا فضا اور کھلے میدان میں نماز پڑھنے کی طرح ہے۔ اور اس حیثیت سے یہ سنت کے مطابق ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس کی اجازت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کیا جنات بھی فرشتوں سے افضل ہو سکتے ہیں؟

الجواب الملفوظ: ظاہر یہی ہے کہ فرشتے

جنوں سے افضل ہیں۔فرشتوں میں رسول آئے اور جنوں میں کوئی رسول نہیں۔فرشتے جنوں سے افضل ہیں، اس کی صراحت تفسیر بیضاوی کے حاشیہ قونوی میں ہے:

إن الملائكة أفضل من بررة الجن.

(حاشية القونوي على تفسير البيضاوي، ج:3، ص:176، سورة البقرة:2، الآية:34)

ترجمہ: جنوں کے ابرار سے ملائکہ افضل ہیں۔ واللہ تعالیٰ أعلم.

اللہ تبارک وتعالیٰ کو اوپر والا کہنا کیسا ہے؟

الجواب الملفوظ: اللہ تبارک و تعالیٰ کو ”اوپر والا“ کہنا حرام بلکہ کفر ہے۔اللہ تعالیٰ اوپر، نیچے، دائیں اور بائیں سے پاک ہے۔وہ ہر جہت سے پاک ہے کیوں کہ جہتیں جسم سے ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے۔قرآن حکیم میں ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾

(القرآن الحکیم، سورۃ الشوریٰ:42، الآیۃ:11)

ترجمہ: اللہ کے جیسی کوئی چیز نہیں۔

اس لیے اللہ تعالیٰ کو اوپر والا کہنا حرام ہے۔اور اگر کوئی اس عقیدہ کے ساتھ یہ بات کہے کہ وہ اوپر رہتا ہے، اس کے لیے بھی سمت اور جہت ہے، جیسا کہ اصحاب جسم کے لیے ہوتا ہے تو یہ کفر ہے کہ یہ قرآن حکیم کے نص قطعی کی تکذیب و انکار ہے۔واللہ تعالیٰ أعلم.

واٹس ایپ میسج کے ذریعہ دی گئی طلاق

سوال: واٹس ایپ میسج کے ذریعے اگر کوئی اپنی بیوی کو طلاق لکھے، تو یہ کب مرسوم کہلائے گا اور کب غیر مرسوم؟

کیا پہلے زمانے کے خط اور آج کے زمانے کے واٹس ایپ میسج کے درمیان مرسوم وغیر مرسوم ہونے کے اعتبار سے کوئی فرق ہے، یا دونوں کا حکم ایک ہی ہے؟ بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان دونوں میں فرق ہونا چاہیے، کیوں کہ خط لکھنے کا معہود طریقہ کچھ اور تھا، جب کہ واٹس ایپ میسج کا انداز مختلف ہوتا ہے۔مثلاً خط میں عموماً القابات کے ساتھ کلام کا آغاز کیا جاتا تھا، لکھا جاتا تھا ”من فلاں بن فلاں“، جب کہ واٹس ایپ میسج میں عموماً ایسا نہیں ہوتا۔ زیادہ سے زیادہ ”السلام علیکم“ لکھ کر بات شروع کر دی جاتی ہے۔اگر دونوں کا حکم ایک ہی ہو تو ٹھیک، اور اگر الگ الگ ہو، تو چند مثالوں کے ذریعے وضاحت فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ ہم اہل سنت پر عافیت کے ساتھ دراز فرمائے۔آپ کی آپ کے گھر والوں کی خیر فرمائے۔

الجواب الملفوظ: واٹس ایپ میسج کے ذریعے طلاق کا سوال ہوا ہے۔

تو عرض ہے کہ رسم ناس وعرف عام کے مطابق یہ صحیح ہے یا نہیں ہے، یہ الگ بات ہے، جس میں القاب وآداب اور تسلیم اور مزاج پرسی وغیرہ ہوگی تو وہ رسمِ وعرف ناس کے مطابق مانا جائے گا ورنہ رسم وعرف ناس کے مطابق نہیں ہوگا، یہ الگ ایک مسئلہ ہے۔لیکن طلاق کے وقوع کی بنیاد اس پر نہیں ہے کہ جو خط لکھا گیا ہے، وہ رسم وعرف ناس کے مطابق ہے یا نہیں ہے۔اس کی بنیاد تو صرف اس بات پر ہے کہ زبان سے شوہر اپنی بیوی کے لیے کلمہ طلاق کہہ دے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔یوں ہی اگر وہ اپنی بیوی کے لیے طلاق لکھ دے، چاہے کاغذ پر یا موبائل کی اسکرین پر یا کمپیوٹر کی اسکرین پر، تو اس سے بھی طلاق واقع ہو جائے گی۔یہ خط واضح اور متعیّن اور مُتبیِن ہوتا ہے۔اور اس کے اوپر احکام جاری کیے جاتے ہیں۔لہٰذا اگر کسی نے واٹس ایپ میسج کے ذریعے اپنی بیوی کے نام کوئی تحریر بھیجی، اس میں اس نے اپنی بیوی کو طلاق بھی لکھی تو یہ طلاق اس کے اوپر بلا شبہ واقع ہے اس میں کوئی شبہ اور کوئی تامل نہیں ہے۔

ہدایہ میں ہے: الكتاب كالخطاب (الهداية، ج:3، ص:2، كتاب البيوع/ أول كتاب البيوع، مجلس البركات، مبارك فور) والله تعالىٰ أعلم.■■■

فکر امروز

اہانت رسول ناقابل معافی جرم ہے

محمد مصطفیٰ کعبی ازہری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پوری انسانیت کے لیے رحمت اور مسیحا ہیں۔ آپ کی تعلیم اور کردار ایسا نمونہ پیش کرتا ہے جس سے دشمن بھی راحت محسوس کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مہذب دنیا اور تہذیب یافتہ قوموں نے آپ کی تعریف اور تحسین بیان کی ہیں۔ ہاں! غیر مہذب، مغلوب ذہنیت والے اور حسد و تعصب کی عینک لگانے والے ہر دور میں پیدا ہوتے رہے ہیں جسے اپنے کیفر کردار تک رسائی بھی ہمیشہ ہوتی رہی ہے۔

اور اس روئے زمین پر رہنے والے تمام مسلمان اللہ وحدہ لاشریک کے بعد جس شخصیت سے محبت کرتے ہیں او جس کا مقام و مرتبہ اللہ تعالیٰ کے بعد اسلام میں ہیں وہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ مسلمان ہر چیز برداشت کرسکتے ہیں مگر شان رسالت میں، معمولی گستاخی بھی برداشت نہیں کرسکتے ہیں۔ جب کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شان میں گستاخی کرتا ہے تو وہ پوری امت مسلمہ کو دل کی تکلیف ہوتی ہے اور آپ کو بھی معلوم ہونا چاہیے کہ دل کی تکلیف ہو تو اس کو بھولا یا نہیں جاتا ہے۔

اور حال ہی میں "رام گیری مہاراج (مہاراشٹر)" نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تھی تو جناب امتیاز جلیل سابق ممبر آف پارلیمنٹ ہند نے مسلمانوں کی قیادت کرتے ہوئے ممبئی میں گستاخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ریلی نکالے۔ ہندوستان میں مسلمان تاریخ رقم کرنے کے ساتھ لاکھوں مسلمان سڑکوں پر نکل آئے تھے اور ابھی ایک دو دن قبل "یتی نرسمہانند سرسوتی (اتر پردیش)" نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی ہے۔ ان دونوں نے ایسے نہایت اشتعال انگیز اور توہین آمیز بیانات دیے ہیں جو نہ صرف بھارت کے کروڑوں مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرتے ہیں بلکہ ہندوستانی آئین کے اصولوں کی بھی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ معلوم ہونا چاہئے کہ جو بھی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں وہ کسی اور کے نطفہ سے پیداوار ہوتے ہیں یعنی ولد زانی اور حرامی ہوتے ہیں۔

اسی طرح چند ماہ قبل سابق جج کمل نرائن داس نیپالی نے شان رسالت میں شدید گستاخی کرکے مسلمانوں کو سخت اذیت پہنچایا ہے اور نیپال میں موجود اب تک کی تمام حکومتیں آپسی رواداری اور بھائی چارے کو قائم رکھنے میں بہت سنجیدہ ہیں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ ہندوستان اور نیپال ہمیشہ سے مذاہب کے مابین باہمی احترام اور ہم آہنگی کا گہوارہ رہا ہے۔ آئیے ہم مل کر ان اقدار کو برقرار رکھیں اور اس بات کو یقینی بنائیں کہ ہمارا ملک امن اور یکجہتی کا علمبردار رہے۔

مگر برا ہو ان فتنہ پروروں کا جو اپنی گرتی ہوئی ساکھ کو بچانے کے لئے ملک میں اشتعال انگیزی کو ہوا دینا اپنی کامیابی سمجھتے ہیں۔ لہذا زیر نظر مضمون میں انہی بد بختوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

شیخ ابو ہلال عبد المجید بھکراہوی اسلامک اسکار کاٹھمنڈو نیپال فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر "گستاخانہ پوسٹ" قابل برداشت نہیں کیونکہ ان دنوں ایک حواس باختہ سابق جج کا فتنہ سرچڑھ کر بول رہا ہے۔ یہ شخص ہمارے نبی صلی اللہ

فاضل الازہر یونیورسٹی مصر عربیہ

علیہ وسلم کی کردارکشی پر مشتمل کچھ پوسٹ متواتر ڈال رہا ہے جس سے مسلمانوں کے جذبات بری طرح مجروح ہوئے ہیں۔ یہ جذباتی تعلق ہی تو دین و ایمان کی پہچان ہے ورنہ انسان مجرد اور انتہا پسند ہوجاتا ہے۔ اس پر جب تک دینی ذمہ داری کا احساس اور اس کی حمیت نہ ہوگی پھر وہ کس ذریعہ سے دوسروں کو امن و امان کی دعوت دے گا۔

تاریخ انسانی میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو مثالی چھوی اور مسلّمہ کردار ہے اپنے تو اپنے غیر بھی ان کی تائید ہی نہیں بلکہ ترجیح بھی دیتے ہیں۔ جیساکہ مائیکل ہارٹ ایک یہودی نے سو کامیاب انسانوں کی تاریخ لکھ کر سرفہرست محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لکھا ہے۔

ایسی حرکت کرنے والے کے اندر اگر مذہبی عصبیت اور پراگندہ ذہن نہ ہو تو سب سے پہلے وہ اسلام کا مطالعہ کرے پھر اس پر اپنا ریمارک لکھے۔ اور جن لوگوں نے بھی آج تک مخالفانہ ذہنیت سے مطالعہ کیا ہے اس کا ذہن صاف ہی ہوا ہے بلکہ وہ اسلام کی آغوش میں آگیا ہے۔

ہندوستان اور نیپال میں مسلمانوں کی اس وقت جو آزمائش روبرو ہوئی ہے اس کا واحد اور پہلا سبب اس کی بزدلی اور ذہنی محرومی ہے۔ کیونکہ وہ اس نازک مسئلہ میں بھی آپسی اختلاف اور مسلکی تسامح کو ذہنوں پر سوار کرکے ہر قسم کی آواز اور تحریک کو کمزور کردیتے ہیں۔

یقیناً مسلمانوں کی جماعتوں اور قیادتوں میں شعور و آگہی کا فقدان ہرگز نہیں ہے جہاں کسی کھائی میں گرنے کا خطرہ خوف پیدا کرتا بلکہ وہ ہر مسئلہ کو بہ حسن و خوبی حل کرنے کا مزاج اور حوصلہ خوب رکھتے ہیں۔ پس ضرور ہے کہ مسلمانوں کا ہر طبقہ بیدار ہوکر اس فتنہ کے سدّباب میں حکومت سے مذاکرات کی راہ ہموار کرے!!۔

اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پوری امت پہ اللہ پاک کا احسان عظیم ہے، خاتم النبیین کی محبت اور تکریم ہر مسلمان کے لئے سرمایہ حیات ہے اور اس کے بغیر کوئی مسلمان ایمان کا تصور بھی نہیں کرسکتا اس لئے کوئی بھی شخص ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی، زبان درازی کرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرنا ہماری اولین ذمہ داری ہے ہم مسلمان حتی الوسع اس کا دفاع کریں کیونکہ گستاخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں قرآن اور صحیح احادیث میں بکثرت وعیدیں بیان ہوئی ہیں اور وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(1)- انبیاے کرام کی شان میں گستاخی کرنا کفار و مشرکین کی پرانی روش ہے۔(سورہ الانعام: 10 و 33 و 34 و 112، سورہ الفرقان: 31، سورہ ھود: 38، سورہ یٰس: 30)

(2)- نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آواز بلند کرنے سے بھی اعمال کا ضائع ہوتا ہے۔(سورہ الحجرات: 2)

(3)- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دور سے آواز دے کر بلانا کم عقلی کی علامت ہے۔(سورہ الحجرات: 4)

(4)- مؤمن شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن سے کبھی محبت نہیں کرتا۔(سورہ المجادلہ: 22)

(5)- جو شخص آپس میں جھگڑے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاکم نہ مانے وہ مؤمن نہیں!(سورہ النساء: 65)

(6)- جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی مخالفت کرے گا اس کے لئے سخت عذاب ہے۔(سورہ الانفال: 13)

(7)- جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو توہین و تمسخر اور تکلیف دے تو دنیا اور آخرت میں اسے رسواکن عذاب اور جہنم ہے۔(سورہ الاحزاب: 57 و 61، سورہ التوبہ: 61 و 63 و 64 و 65، سورہ المجادلہ: 5)

(8)- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کی سزا قتل ہے۔(إسنادہ صحیح: رواہ أبو داود: 4363، والطبرانی فی المعجم الصغیر: 659)

(9)- ابولہب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تو رب العالمین نے پوری ایک سورت اس کی مذمت میں نازل فرمائی اور رب العالمین نے ارشاد فرمایا: " ابولہب کے دونوں ہاتھ تباہ ہوں۔(سورہ تبت: 1و2)

(10)-ایک نابینا صحابی رسول نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والی ام ولد کو جو ہمیشہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتی، نابینا صحابی رسول نے ایک چھری اٹھائی اور اسے اس کے پیٹ پر رکھ کر خوب زور سے دبا دیا،وہ اس کے پیٹ میں گھس گئی یہاں تک کہ میں نے اسے مار ہی ڈالا۔(إسنادہ صحیح:رواہ أبوداود فی سننہ:4361)

(11)- عتبہ جو ابولہب کا بیٹا تھا اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی تو اللہ نے اس پر شیر کو مسلّط کر دیا اور وہ شیر عتبہ کو چیر پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔(إسنادہ حسن: رواہ الحاکم في المستدرک:3984،والبیھقی فی الدلائل:622،وابن عساکر:302/38، وتفسیرابن کثیر سورۃ النجم،وحسنہ الحافظ ابن حجر فی فتح الباري:39/4،والعینی فی عمدۃ القاري:51/16،والشوکانی فی نیل الأوطار:80/5،والصنعانی فی "سبل السلام":195/2،ومحمد الأمین الشنقیطی فی أضواء البیان:165/2، وصححہ الإمام الحاکم ووافقہ الذھبی)

(12)-کعب بن اشرف نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔(صحیح:رواہ البخاری:4037)

(13)-عکرمہ بن ابی جہل، عبداللہ بن خطل، مقیس بن صبابہ، عبداللہ بن سعد ابی سرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں اور تمسخر کیا کرتے تھے تو ان لوگوں کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا چاہے وہ غلاف کعبہ سے چمٹا ہوا ہی کیوں نہ ہو۔
(إسنادہ صحیح:رواہ النسائی فی سننہ:4067)

(14)-ابورافع یہودی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تو صحابہ کرام نے اس کو بھی قتل کر دیا۔
(صحیح:رواہ البخاری:4039و4040)

(15)- شاہ فارس کسریٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تو اللہ تعالیٰ نے کسریٰ بدبخت کو اپنے ہی بیٹے کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتار دیا اور اس طرح سے اس کے اور اس کی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔
(صحیح:رواہ البخاری:4424)

(16)- ولید بن مغیرہ، اسود بن عبد یغوث الزہری، قبیلہ اسد بن عبد العزیٰ کا ابو زمعہ اسود بن مطلب، حارث بن عیطل السہمی اور عاص بن وائل یہ پانچ رؤساء تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتے تھے تو ان لوگوں کی موت بھی مختلف حادثات میں ہوئی ہے بعدہ ولید قبیلہ خزاعہ کے ایک آدمی کے پاس سے گزرا جو اپنے تیر میں پر لگا رہا تھا تو تیر اس کے پاؤں میں لگ گئی اور رگیں کٹ گئی۔ اسود بن مطلب اندھا ہو گیا۔ اسود بن عبد یغوث کے سر کے اندر زخم پیدا ہو گیا جس سے وہ ہلاک ہو گیا، حارث بن عیطل کے پیٹ میں زرد پانی جمع ہو گیا یہاں تک کہ اس کے منہ سے پاخانہ نکلنے لگا اور اسی وجہ سے اس کی موت واقع ہوئی۔ اور عاص کے سر میں کانٹا چبھ گیا تو سر میں پیپ بھر گئی اور اسی وجہ سے وہ جہنم واصل ہوا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ وہ طائف کی طرف اپنی سواری گدھے پر سوار ہو کر روانہ ہوا تو ایک جگہ اترتے وقت اس کے پاؤں میں کانٹا چبھ گیا اور اسی سے وہ جہنم رسید ہوا۔ (صحیح: رواہ البیھقی فی السنن الکبریٰ:17731، والطبرانی فی المعجم الاوسط:4986، وصحیح السیرۃ النبویۃ للألبانی:220/221)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ:-اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس کو دفاع کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔

▫▫▫▫▫

نقد و نظر

ہمارے راستے اور ہم

مفتی ڈاکٹر محمد سبطین رضا مرتضوی

ذرا ٹھہریے! اس سے پہلے کہ ہم لفظوں کی پگڈنڈی پر آگے بڑھیں، ایک لمحے کے لیے اپنی آنکھیں موند لیجیے۔ تصور کیجیے: ایک طلسماتی دنیا جہاں ہر راستہ ریشم کی لکیر ہو اور ہر بازار رنگوں کی ایک بستی۔ جہاں قدموں کی چاپ میں ایک گیت ہو اور ہر نگاہ میں ایک ان کہی کہانی۔ جہاں فضا میں مہکتی ہوئی خوشبو اس بات کا اعلان کرتی ہو کہ یہ صرف پتھر اور تارکول کی بنائی ہوئی گزرگاہیں نہیں بلکہ یہ تو شہر کی زندہ سانسیں ہیں، جہاں ہر شخص ایک دوسرے کے لیے راحت کا سائبان بنتا ہے۔ یہ کوئی خواب نہیں بلکہ یہ ایک تہذیب کا وہ عکس ہے جو ہماری روح کے نہاں خانوں میں کہیں پوشیدہ ہے جو ہمیں بے ساختہ خوبصورت رویوں کی طرف مائل کرتا ہے۔ مگر آنکھیں کھلتی ہیں تو نظر آتا ہے ایک دوسرا ہی منظر۔ شہر کی یہ شریانیں جو کبھی زندگی کا ساز تھیں، اب بے ہنگم شور کا میدان ہیں۔ بازار جو کبھی محبت اور میل جول کے آئینے تھے، اب بے حسی کی گرد سے اٹے ہیں۔ یہاں انسانوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے مگر ایسا لگتا ہے جیسے ہر موج اپنی ہی سمت بھاگ رہی ہو۔ اس سمندر میں تہذیب کی کشتی کبھی ڈگمگاتی اور کبھی غرق ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ یہاں ہر شخص اپنی خیالات میں قید ہے، جہاں دوسروں کے وجود کی پرواہ سراب سے زیادہ نہیں۔ یہ کوئی دلکش افسانہ نہیں یہ ہماری اپنی حقیقت کا ایک تلخ باب ہے۔

روزمرہ کے مشاہدات اور تہذیبی زوال:

ہم روزمرہ کی زندگی میں آداب راہ کی پامالی کے بے شمار ایسے مناظر دیکھتے ہیں جو نہ صرف آنکھوں کو ناگوار گزرتے ہیں بلکہ روح کو بھی مجروح کرتے ہیں اور دل پر ایک عجیب سی بے کیفی طاری ہوتی ہے۔ یہ وہ لمحات ہیں جب ہماری تہذیب پارہ پارہ ہوتی ہے۔ آپ ایک مصروف سڑک پر پیدل چل رہے ہیں، اچانک ایک موٹر سائیکل سوار آپ کے بالکل قریب سے سرسراتی بجلی کی طرح گزرتا ہے اور اپنی بے جا ہارن کی کرخت آواز سے آپ کو چونکا دیتا ہے، حالانکہ وہاں کسی قسم کے خطرے کا کوئی اندیشہ نہیں ہوتا۔ یہ محض ہارن کی آواز نہیں بلکہ یہ دوسروں کے سکون کو غارت کرنے کی ایک بے شعوری کوشش ہے، یہ ایک ایسی ناگواری ہے جو ہوا میں گھل کر اجتماعی اضطراب اور چڑچڑے پن کا باعث بنتی ہے۔ آپ ایک عوامی بس میں سفر کر رہے ہیں، کھڑکی سے سر نکالے ایک صاحب نے منہ سے پچکاری یوں اچھالی جیسے کوئی گلاب کی پنکھڑی نچھاور کر رہا ہو اور یہ بھول گئے کہ ان کی اس "بے نیازی" کا شکار کوئی راہ گیر بھی ہو سکتا ہے، جو ان کی اس "تہذیبی پچکاری" سے لت پت ہو کر بدبو اور کراہت کی گہرائیوں میں ڈوب جائے۔ یہ صرف ایک ناگوار بدبو نہیں بلکہ یہ عوامی مقامات کو گندا کرنے کی ایک افسوس ناک عادت ہے۔ یہ اس اجتماعی احساس کی موت ہے جو ہمیں دوسروں کے لیے ذمہ دار بناتی ہے، اس احساس کی جو ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ ہماری ہر حرکت کے اثرات دوسروں پر بھی مرتب ہوتے ہیں۔ یا پھر ایک صاحب گاڑی کا شیشہ کھولتے ہیں اور نہایت اطمینان سے کیلے کا چھلکا یا پلاسٹک کی خالی بوتل سڑک پر پھینک دیتے ہیں۔ یہ محض ایک چھلکا نہیں بلکہ ہماری بے حسی اور ماحولیاتی ذمہ داری سے غفلت کا ایک کھلا ہوا ثبوت ہے۔ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ ان کا یہ عمل نہ صرف سڑک کو گندا کرتا ہے بلکہ یہ کیلے کا چھلکا کسی راہ گیر کے پھسلنے کا باعث بن سکتا ہے جو اسپتال کے بستر پر لے جانے کے لیے کافی ہے اور یہ پلاسٹک جو آج انھوں نے پھینکی ہے شاید صدیوں تک زمین میں موجود رہ کر آلودگی پھیلاتی رہے گی۔ یہ ایک ایسا قرض

ایڈیٹر سہ ماہی صدائے مناظر اہلسنت، اتر دیناج پور، بنگال-sibtainraza160@gmail.com-297289394

ہے جو ماحول ہم سے وصول کرتا ہے اور پھر ہماری صحت اور ہمارے بچوں کے مستقبل پر اس کے منفی اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ اسی طرح گاڑی سے بسکٹ کے ریپرز، ٹشو پیپر یا دیگر کھانے پینے کی چیزوں کے فضلات پھینک دینا بھی عام ہو گیا ہے، جو ہماری شہری ذمہ داری کا فقدان ظاہر کرتا ہے۔

ہمارے راستے، ہماری اجتماعی زندگی کا عکس ہیں۔ یہاں کوئی سست قدم چلتا ہے تو وہ ایک سست رفتار گھڑیال کی مانند دکھائی دیتا ہے جو وقت کا ادراک ہی نہیں رکھتا اور پیچھے آنے والوں کے لیے غیر ارادی طور پر رکاوٹ بنتا ہے۔ اس سے وقت کا ضیاع ہوتا ہے اور بسا اوقات غصہ بھی پیدا ہوتا ہے۔ کوئی ٹریفک میں بے دھڑک گھستا ہے تو وہ ایک بے لگام گھوڑے کی طرح ہوتا ہے جو دوسروں کے لیے خطرہ بن جاتا ہے اور ٹریفک کے بہاؤ کو متاثر کرتا ہے۔ یہ ایک غیر ذمہ دارانہ حرکت ہے جو کئی بار حادثات کا سبب بنتی ہے اور زندگیوں کو خطرے میں ڈال دیتی ہے۔ کوئی ہجوم میں کندھے سے کندھا چھوتا ہوا نکل جاتا ہے، جیسے راستے پر اس کا ذاتی حق ہو اور باقی سب اس کے رحم و کرم پر ہوں۔ یہ ایک خود غرضانہ رویہ ہے جو دوسروں کے وجود کو تسلیم نہیں کرتا اور معاشرتی تعلقات میں کشیدگی پیدا کرتا ہے۔ یہ محض چند مثالیں ہیں، لیکن یہ ہمارے معاشرے میں پھیلی ہوئی ایک ایسی بیماری کی نشاندہی کرتی ہیں جو بظاہر چھوٹی لگتی ہے مگر اس کے اثرات گہرے ہوتے ہیں۔ راہ میں تھوکنا، کوڑا پھینکنا (خاص طور پر کیلے کے چھلکے اور پلاسٹک جیسی غیر حل پذیر اشیا)، دوسروں کے راستے میں رکاوٹ بننا، بلند آواز میں گفتگو کرنا جس سے دوسروں کو تکلیف ہو، عوامی مقامات پر شور شرابا کرنا، فٹ پاتھوں پر دکانیں لگانا جس سے پیدل چلنے والوں کو مشکل پیش آئے ——— یہ سب نہ صرف ہماری اخلاقی پستی کا مظہر ہیں بلکہ یہ ہمارے اردگرد کے ماحول کو بھی آلودہ کرتے ہیں۔ راستے اور بازار عوامی مقامات ہیں اور ان کی صفائی، ان کی پاکیزگی اور ان میں نظم و ضبط برقرار رکھنا ہماری اجتماعی ذمہ داری ہے۔ اس ذمہ داری سے پہلو تہی دراصل ہماری اپنی ہی جڑوں کو کھوکھلا کرنے کے مترادف ہے اور ایک ایسے شہری کی تشکیل میں معاون ہے جہاں بے حسی کی وبا عام ہے۔

سیرت نبوی کی روشنی میں آداب راہ:

یہ وہ آداب ہیں جن کا ذکر صرف جدید معاشرتی علوم میں ہی نہیں بلکہ آج سے چودہ سو سال قبل ہمارے پیارے نبی اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نہایت وضاحت اور تاکید کے ساتھ فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آداب کو نہ صرف اپنی تعلیمات کا حصہ بنایا بلکہ اپنی عملی زندگی میں ان کا بہترین نمونہ پیش کیا۔ سیرت نبوی کے مطالعے سے ہمیں ان آداب کی ایک مکمل اور جامع تصویر ملتی ہے، جو نہ صرف فرد کی تہذیب بلکہ پورے معاشرے کی فلاح و بہبود کی ضامن ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "راستوں کا حق ادا کرو!" یہ ایک مختصر مگر جامع حکم تھا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے راہنمائی کا سرچشمہ بن گیا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! راستے کا حق کیا ہے؟" آپ نے فرمایا: "نگاہیں نیچی رکھنا، تکلیف دہ چیزوں کو ہٹانا، سلام کا جواب دینا، اچھی بات کا حکم دینا اور بری بات سے روکنا"۔ [مسلم، کتاب اللباس، رقم الحدیث: 5563]

یہ حدیث مبارکہ آداب راہ کا ایک مکمل دستور العمل فراہم کرتی ہے، جو ہر دور اور ہر معاشرے کے لیے قابل عمل ہے۔

نگاہیں نیچی رکھنا:

یہ صرف جنسی بے راہ روی سے بچنے کے لیے ہی نہیں بلکہ یہ دوسروں کی پرائیویسی اور انفرادی حدود کا احترام بھی ہے۔ بازار میں چلتے ہوئے یا راستے سے گزرتے ہوئے بے جا گھورنا، دوسروں کی اشیا یا اعمال میں تاک جھانک کرنا اخلاقی گراوٹ کی علامت ہے، یہ دوسروں کو ناگوار گزرتا ہے اور انہیں غیر محفوظ محسوس کراتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرما

کر ایک مہذب، باوقار اور باحیا معاشرے کی بنیاد رکھی جہاں ہر شخص دوسرے کی عزت وآبرو کا خیال رکھتا ہے اور ایک دوسرے کے وجود کا احترام کرتا ہے۔

تکلیف دہ چیزوں کو ہٹانا:

یہ ایک ایسا عمل ہے جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کے شعبوں میں سے ایک قرار دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایمان کے ستر سے کچھ اوپر یا ستر سے کچھ کم شعبے ہیں اور سب سے ادنیٰ شعبہ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے"۔ [مسلم، کتاب الایمان، رقم الحدیث: ۱۵۳] یہ لکڑی کا ٹکڑا ہو یا پتھر، کانٹا ہو یا شیشے کا ٹکڑا، یا پھر منہ کی پچکاری، کیلے کا چھلکا، پلاسٹک کی بے کار بوتل، بسکٹ کا خالی ریپر، پانی کا خالی پیکٹ، سگریٹ کا بجھا ہوا ٹوٹا، یا کوئی بھی غیر حل پذیر کچرا— ہر وہ چیز جو کسی دوسرے کے لیے گرنے، پھسلنے یا کسی بھی قسم کی تکلیف کا باعث بنے، اسے راستے سے ہٹا دینا ایک ایمانی فریضہ ہے۔ آج جو لوگ راستوں پر کوڑا پھینکتے ہیں یا بے دریغ تھوکتے ہیں، وہ دراصل اس نبوی تعلیم کی صریحاً خلاف ورزی کر رہے ہیں اور اپنے ایمان کی کمزوری کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ اس عمل میں نہ صرف صفائی ستھرائی کی اہمیت ہے بلکہ دوسروں کی راحت رسانی کا درس بھی مضمر ہے۔

سلام کا جواب دینا:

یہ تعلقات کو مضبوط بنانے، باہمی محبت کو فروغ دینے اور معاشرتی ہم آہنگی پیدا کرنے کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ اسلام میں سلام کرنا سنت ہے اور اس کا جواب دینا واجب۔ راستے پر جب کوئی سنی صحیح العقیدہ شخص سلام کرے تو اس کا جواب دینا نہ صرف اخلاقی فرض ہے بلکہ مذہبی حکم بھی ہے۔ یہ معاشرے میں ایک مثبت اور دوستانہ ماحول پیدا کرتا ہے، جہاں لوگ ایک دوسرے سے تعلق محسوس کرتے ہیں۔

اچھی بات کا حکم دینا اور بری بات سے روکنا:

یہ وہ معاشرتی ذمہ داری ہے جو ہر مسلمان پر عائد ہوتی ہے۔ راستے پر اگر کوئی غلط کام ہو رہا ہو، کوئی کسی پر ظلم کر رہا ہو، یا کوئی معاشرتی آداب کی خلاف ورزی کر رہا ہو، تو حکمت اور نرمی کے ساتھ اسے روکنا اور اچھائی کی طرف مائل کرنا بھی راستے کا حق ہے۔ یہ ہمیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس دلاتا ہے کہ ہم محض خاموش تماشائی نہ بنیں بلکہ ایک فعال اور ذمہ دار شہری ہونے کا ثبوت دیں۔ اس سے معاشرے میں اصلاح کا ایک مستقل عمل جاری رہتا ہے۔ ان بنیادی آداب کے علاوہ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مزید کئی پہلوؤں پر روشنی ملتی ہے، جو ہمیں ایک مکمل معاشرتی ضابطہ حیات فراہم کرتے ہیں، جیسے:

آہستہ روی اور وقار:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود چلنے میں ٹھہراؤ اور وقار پسند فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چال میں ایک خاص قسم کا سکون اور اطمینان تھا۔ تیز روی اور بھاگ دوڑ جو بلاوجہ ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہ تھی۔ اس میں یہ درس ہے کہ ہم راستے پر ایک سکون اور اطمینان کے ساتھ چلیں، دوسروں کو ہراساں نہ کریں اور نہ ہی ان کے لیے بھاگ دوڑ یا پریشانی کا سبب بنیں۔

بے جا شور سے پرہیز:

بازاروں اور راستوں میں غیر ضروری شور شرابا کرنا یا بلند آواز میں باتیں کرنا دوسروں کے لیے اذیت کا باعث بنتا ہے۔ اسلام میں ہر اس عمل سے منع کیا گیا ہے جو دوسروں کو تکلیف پہنچائے یہ اصول ہمیں ایک خوشگوار اور پر سکون ماحول برقرار رکھنے کی ترغیب دیتا ہے۔

لوگوں کو راستہ دینا:

ہجوم یا تنگ راستوں میں دوسروں کو راستہ دینا، خصوصاً کمزوروں، بچوں اور خواتین کو ایک اعلیٰ اخلاقی رویہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ دوسروں کو ترجیح دی اور اس کی تعلیم دی۔

تہذیب کی عمارت اور ہماری ذمہ داری:

تمام تعلیمات ہمیں یہ سمجھاتی ہیں کہ.... (باقی ص:34 پر)

انوار حیات

حضرت صدرالافاضل علیہ الرحمہ کی چند خصوصیات اور درس عبرت

مولانا محمد عبدالمبین نعمانی مصباحی

حضرت صدرالافاضل علامہ شاہ نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ والرضوان بڑے پایے کے عالم تھے، آپ حضرت صرف عالم ہی نہیں تھے قائد اہل سنت بھی تھے، آپ کے زمانے سے لے کر آج تک آپ جیسا قائد، اہل سنت کو نصیب نہیں ہوا۔ ماضی قریب میں حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کو قائد کا درجہ حاصل تھا، بعض حیثیتیں آپ کی نمایاں بھی تھیں وہ یہ کہ آپ نے بہت سے مدارس قائم کیے، ہند ہی نہیں بیرون ہند میں بھی اور ایک عالمی سنی تحریک دعوت اسلامی کے بھی آپ بانی ہیں، جس کے اثرات اس وقت مولانا محمد الیاس عطار قادری کی قیادت و سرپرستی میں پورے عالم پر چھائے ہوئے ہیں، آپ کو امیر بھی علامہ ہی نے بنایا یہ بات حضرت علامہ نے خود مجھ سے بتائی۔

بات چل رہی تھی حضرت صدر الافاضل کی اور آپ کی بعض خصوصیات کی تو میں نے جب آپ کی سوانح حیات کا مطالعہ کیا اور علمائے اہل سنت کے ان کے بارے میں تاثرات معلوم کیے تو پتہ چلا کہ آپ ایک بہترین قائد تھے مذہبی بھی اور سیاسی بھی۔

مذہبی اور مسلکی اعتبار سے دیکھا جائے تو جامعہ نعیمیہ مراد آباد اس وقت کا سب سے بڑا سنی مدرسہ تھا اور اس وقت کے بہت سارے اکابر اور علمائے اہل سنت آپ ہی کے شاگرد تھے، مثلاً:

(1) مولانا مفتی محمد حسین نعیمی سنبھلی
(2) مولانا محمد عمر نعیمی
(3) مولانا سید نعیم اشرف جائسی
(4) مولانا عبدالوحید شاہ صاحب بنارسی
(5) حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز مرادآبادی
(6) مولانا شاہ نذیر الاکرم نعیمی
(7) مولانا مفتی حبیب اللہ نعیمی
(8) مولانا مفتی اشفاق حسین نعیمی سنبھلی مفتی اعظم راجستھان
(9) مولانا غلام معین الدین نعیمی مصنف حیات صدرالافاضل
(10) مفتی احمد یار خان نعیمی بدایونی
(11) مولانا نوراللہ نعیمی بصیر پوری
(12) پیر کرم شاہ ازہری
(13) مجاہد دوراں مولانا سید مظفر حسین کچھوچھوی وغیرہم

حضرت صدرالافاضل کے علاوہ حضرت صدر الشریعہ علامہ شاہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ اپنے دور کے سب سے بڑے مدرس تھے کہ آپ کی درس گاہ فیض سے جتنے اکابر نکلے اور عالم علم و فضل پر چھا گئے اس کی دوسری مثال نہیں ملتی، یوں ہی آپ کے تلمیذ رشید اور احب الخلفا استاذ العلما حافظ ملت علامہ شاہ حافظ عبدالعزیز محدث مراد آبادی علیہ الرحمہ بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور علم اور درس کی سوغات بانٹنے میں فائق الاقران تھے، یعنی ان کے زمانے میں آپ جیسا مرجع الطلبہ والفضلا نظر نہیں آیا۔

آپ نے جامعہ نعیمیہ میں بھی کچھ وقت گزارے لیکن زیادہ تر اکتساب فیض حضرت صدرالشریعہ سے ہی کیا، یہاں مجھے حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ پر کچھ لکھنا ہے کہ آپ کی خصوصیات کیا تھیں، تو سنیں۔

(1) آپ کسی عالم کی توہین برداشت نہیں کرتے، آج جب کہ ایک عالم دوسرے عالم کی شکایات کا دفتر کھولے بیٹھا ہوا ہے اور مزے لے لے کر عیب بیان کر رہا ہے، یہ ایک ایسا عیب ہے جس سے زندگیاں تباہ ہو جاتی ہیں۔

حضرت صدر الافاضل کے سامنے اگر کوئی کسی عالم کی برائی بیان کرتا یا اس کا نام بگاڑتا تو آپ اس کو سخت تنبیہ کرتے اور اسے فوراً روکتے۔

(2) کسی دینی سنی مدرسے کے جلسے میں جاتے تو نذرانہ تو

مہتمم دار العلوم قادریہ، چریاکوٹ، مئو

کیا کرایہ بھی نہیں لیتے، یہ بہت بڑی قربانی ہے اور ہمارے لیے درس عبرت، خصوصاً علما کے لیے جو اہل ثروت ہیں اور بحسن و خوبی یہ ایثار کرسکتے ہیں۔

(3) آج علما سے توکل اٹھتا جا رہا ہے حضرت صدر الافاضل توکل کی عادت کریمہ پر کاربند تھے اور اس راستے میں اللہ کا ان پر بڑا فضل تھا، یہ بھی آج کے دنیا دار علما کے لیے بڑا درس عبرت ہے۔ آج جب بھی کسی سے بات ہوتی ہے اکثر کی زبان پر یہی ہوتا ہے خرچ کیسے چلے گا ؟ ایسا لگتا ہے خدا کی رزاقیت پر سے اعتماد و ایمان رخصت ہوتا جارہا ہے۔ حافظ ملت فرمایا کرتے تھے "جو دین کا کام کرتا ہے اللہ اس کا خرچ چلاتا ہے یعنی غیب سے اس کی امداد فرماتا ہے" اور توکل کے بارے میں فرمایا: "توکل ہی توکل ہے" یعنی یہ دولت جسے مل گئی اسے سب کچھ مل گیا اسی لیے تو اقبال جیسے مفکر شاعر نے کہا تھا۔

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

(4) جامعہ اشرفیہ بمقام خانقاہ اشرفیہ کچھوچھہ شریف کی جب تعمیر ہونے لگی تو آپ نے اپنے اہتمام سے دو کمروں کی تعمیر کرائی، یہ بھی بہت بڑا سبق ہے اور نمونہ بھی، ہمارے بعض کروڑ پتی علما و مشائخ کے لیے جو ذاتی طور پر بہت بھرے پرے ہیں لیکن دینی مدارس میں ان کی قربانیاں دیکھنے کو نہیں ملتی۔

(5) حضرت صدرالافاضل علیہ الرحمہ بڑے سخی اور فیاض بھی تھے، آپ کا دسترخوان نہایت وسیع تھا جو آتا آپ کے دسترخوان سخا سے آسودہ اور سیراب ہوکر جاتا۔

(6) آپ (صدر الافاضل) صاف ستھرا کپڑا استعمال کرتے، دیگر معاملات میں بھی صفائی پسند تھے، مدرسے کو بھی صاف ستھرا ہی دیکھنا پسند فرماتے، آپ کے تلامذہ میں بھی نظافت کی یہ صفت پائی جاتی۔

آپ کا لباس بہت باوقار اور عالی شان ہوتا، چال ڈھال شاہانہ تھی، رومال بجائے کاندھے پر رکھنے کے ہاتھ میں لیتے اور کبھی کبھی بغل میں دبا لیتے، یہ کیفیت ان کے ایک شاگرد حضرت مولانا شاہ غلام آسی ابوالعلائی بلیاوی (برادر اکبر علامہ ارشد القادری) نے راقم الحروف سے خود بیان فرمائی (رحمہما اللہ تعالیٰ) اور یہ بھی کہ چال میں ذرا تیزی تھی کیوں نہ ہو کہ کام بھی تیزی سے کرنا تھا۔

(7) بلند دماغ عالی فکر تھے، جماعتی سربلندی کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتے، اسی لیے اپنا مدرسہ عالی شان اور وسیع بنایا کہ اس وقت اتنا بڑا کوئی مدرسہ ہندوستان میں سنیوں کا غالباً نہ تھا۔ عمر بہت زیادہ نہ پائی اس لیے سلسلہ تلامذہ بھی زیادہ دراز نہ ہو سکا اور مدرسہ کی ترقی کے رک جانے کا بھاری سبب آپسی تنازعات، مقدمہ بازیاں بن کر رہ گئیں، ورنہ جامعہ آج بھی سب سے بڑا مدرسہ ہوتا، توجہ دی جائے موجودہ ارباب حل و عقد اجتماعیت کو بروئے کار لاکر ادارے کو ترقی دینا چاہیں تو اب بھی یہ شاہراہ ترقی پر گامزن ہو سکتا ہے اور یہ حضرت صدرالافاضل کے لیے بڑا ایصال ثواب بھی ہوگا۔

(8) حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ میدان صحافت کے بھی شہسوار تھے، آپ نے کئی رسالے اور اخبارات جاری کیے، مثلاً: السواد الاعظم وغیرہ اور صحافت ہی کو فروغ دینے کے لیے آپ نے باضابطہ پریس بھی قائم کیا اور اپنے ہی پریس سے آپ نے سب سے پہلے کنزالایمان ترجمہ قرآن از اعلیٰ حضرت اور تفسیر خزائن العرفان کو شائع کیا اور اس کے کئی ایڈیشن اسی سے شائع ہوئے۔ اعلیٰ حضرت نے کنزالایمان کا مسودہ آپ ہی کے حوالے کیا کہ اس پر تفسیری حواشی لکھ کر منظر عام پر لائیں، چنانچہ اس پر عمل بھی کیا۔

ملک کے بعض مشہور اخبارات و رسائل میں بھی دیگر رسائل و اخبارات میں بھی آپ مضامین لکھتے جنھیں قارئین شوق سے پڑھتے۔ زبان بھی بڑی صاف ستھری پائی تھی، آپ کے عہد میں اتنی اچھی زبان شاید ہی کسی کی رہی ہوگی۔

(9) حضرت صدر الافاضل ایک بیدار مغز، زندہ دل اور انقلاب بردوش عالم و مفکر کا نام ہے جو ملک و بیرون ملک کے

احوال و کوائف پر گہری نظر رکھتے تھے، ملک کے بڑے بڑے لیڈر آپ سے ملاقاتیں کرتے اور مشورے لیتے، آپ سنی مسلمانوں کے دینی قائد بھی تھے اور سیاسی بھی، آپ کی سیاست حقیقت پسندانہ تھی اور مخلصانہ۔

(10) آپ نے غیر منقسم ہندوستان میں کئی عظیم الشان کانفرنسیں کیں، جن میں سب سے نمایاں اور مؤثر کانفرنس وہ ہے جو 1946ء میں بمقام بنارس منعقد ہوئی، جس میں تقریبًا پانچ سو علما و مشائخ نے شرکت کی جس کے بہتر نتائج سامنے آئے۔

(11) آپ دو درجن سے زیادہ کتابوں کے مصنف ہیں، جن میں تفسیر خزائن العرفان اور الکلمۃ العلیہ نمایاں ہیں۔

(12) حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ نے فتنہ ارتداد کو دفع کرنے میں بھی بھرپور جدوجہد کی، جسے اس وقت شدھی تحریک کہا جاتا تھا۔

(13) حضرت صدر الافاضل کی ایک بہت بڑی خصوصیت تھی اتحاد اہل سنت میں کوشاں رہنا، اس لیے نہ کبھی آپ نے درس گاہی اختلاف کو ہوا دی، نہ ہی سلسلوں اور خانقاہوں کے اختلافات کو، یہ ان کے اخلاص فی الدین کی علامت تھی۔

ایک بڑی ضرورت پوری ہوگئی
سوانح صدر الافاضل دو جلدوں میں منظر عام پر

ایک عرصے سے قائد سواد اعظم، مفکر و مدبر اعظم صدر الافاضل حضرت علامہ شاہ محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ (متوفیٰ 1367ھ/1948ء) کی سوانح حیات کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی، مولانا مفتی غلام معین الدین نعیمی نے چھوٹے سائز پر دو جلدوں میں ایک مختصر سوانح حیات لکھی اور شائع کی، اس میں حضرت صدر الافاضل جیسی آفاقی اور گراں قدر شخصیت کی حیات و خدمات کو سمیٹنا مشکل تھا، درمیان میں کافی وقفہ گزرنے کے بعد فاضل ذی شان حضرت علامہ مفتی محمد ذوالفقار خاں نعیمی ککرالوی حفظہ ربّہ نے بڑی عرق ریزی، جاں کاہی اور جگر کاری سے ایک ضخیم کتاب ۱۵۰۰/ صفحات پر مشتمل سوانح صدر الافاضل کے نام سے دو جلدوں میں مرتب کی اور شائع بھی کر دی۔ تقریباً سو سال قبل کے حالات، دستاویزات اور خدمات کے ریکارڈ کو کھوج کر نکالنا اور انھیں حسین گلدستوں میں سجانا آسان کام نہیں تھا، پتا پانی کرنا پڑتا ہے، صحرانوردی سے کام لینا پڑتا ہے۔ دیدہ تھکانا پڑتا ہے تب جا کر کوئی تحقیقی کاوش منظر عام پر آتی ہے، اس کا صحیح اندازہ تو وہی کر سکتا ہے جس نے اس جیسا کوئی جوکھم کام کیا ہو گا یا اس وادی میں آبلہ پائی کی ہوگی۔

میں تو مولانا کو بہت بہت بدھائی دیتا ہوں کہ انھوں نے ایک ٹیم کا کام اکیلے کر ڈالا، مولائے کریم انھیں صدر الافاضل علیہ الرحمہ کے فیوض و برکات سے ڈھیروں حصہ عطا فرمائے اور اپنی رحمت کاملہ سے ان کے دامن کو بھر دے۔

مولانا مفتی ذوالفقار نعیمی قلم کے دھنی ہیں، خدا انھیں اور غنی کرے، آمین۔ میں تو کتاب پڑھتا جاتا تھا اور حیرتوں میں ڈوبتا جاتا تھا ایسا لگتا ہے کہ غیبی امداد ان کے ساتھ ہوگئی تھی ورنہ یہ کام کچھ آسان نہ تھا۔

سر دست یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضور صدر الافاضل علیہ الرحمہ کے سوانح حیات ترتیب دینے کے لیے ایک بار حضرت مولانا محمد یامین نعیمی مرحوم سابق مہتمم جامعہ نعیمیہ نے رئیس التحریر حضرت مولانا لیس اختر مصباحی سے فرمایا کہ آپ حضرت صدر الافاضل کی سوانح حیات لکھ ڈالیں، میں جہاں تک ہو سکے گا مدد کروں گا، چنانچہ سالوں پیشتر حضرت مولانا مرحوم نے یہ کام شروع بھی کیا، جستہ جستہ لکھتے رہے، اس کا تذکرہ بھی بار بار کیا، عمر کے آخری حصے میں اپنے طور پر اسے مکمل بھی کر لیا، کمپوز بھی کرا لیا مگر نظر ثانی و تصحیح کا کام رہ گیا تھا کہ پیک اجل کو لبیک کہنا پڑا، مولانا چل بسے، ان کا یہ کام راقم الحروف کے ذمہ ہے، بار بار ہمت کی مگر نظر ثانی کا کام نہ ہو سکا کہ میں شدید بیمار ہو گیا جس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے، اسی حالت میں یہ چند سطریں رقم کر رہا ہوں جو مولانا مفتی ذوالفقار خاں نعیمی کے لیے بطور خراج تحسین و تبریک ہے۔ ◘

عرفان و آگہی

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی عارفانہ زندگی

مولانا محمد عبد المبین نعمانی قادری

زاہدانہ زندگی کی جھلکیاں: حضور حافظ ملت علامہ شاہ حافظ عبد العزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمۃ والرضوان، صاحبِ معرفت عالم دین تھے، علم پر عمل کرنا آپ کا شیوہ تھا، دنیا میں رہے مگر دنیا سے دل نہیں لگایا۔ زاہدانہ زندگی کو اپنا شعار بنایا، دینی جلسوں میں جاتے تو آپ کا مقصد فروغ دین ہوتا، نہ نذرانے کا مطالبہ کرتے، نہ ملنے پر بھی کبیدگی کا اظہار نہیں کرتے، اشارہ تک نہیں کرتے، یہ آپ کی زاہدانہ زندگی کا ایک بڑا ثبوت ہے حتی کہ جاتے وقت یہ بھی نہیں فرماتے کہ منتظمین کہاں ہیں، جلسے والوں کو خبر کرو مل لیں اور کوئی سامنے آتا تو یہ بھی نہیں فرماتے کہ میں جا رہا ہوں کہ کہیں اس کو بھی نذرانہ مانگنے پر نہ محمول کیا جائے، یہ سنی سنائی نہیں آنکھوں دیکھی بات ہے۔ زر پرستی اور دنیا طلبی کے اس دور میں یہ معمولی بات نہیں، بہت بڑی بات ہے، ہمیں اس سے سبق لینا چاہیے۔

نذرانوں کا مطالبہ کبھی نہیں کیا: اعظم گڑھ میں ایک جگہ کئی سال تشریف لے گئے، نہ کرایہ ملا، نہ نذرانہ مگر آپ نے کبھی مطالبہ تو کیا اشارہ بھی نہیں کیا۔

قریب پاس کے جلسے اور محافل میلاد میں جو سواری آتی اسی پر بیٹھ جاتے، شان و شوکت والی سواریوں کا مطالبہ نہیں کرتے، کئی کئی میل پیدل بھی چل کر تشریف لے جاتے، کوئی معمولی سائیکل پر بیٹھا کر لے جاتا تو اس پر بھی جانے میں کوئی تکلف نہیں کرتے بلکہ کئی کئی میل سائیکل پر بیٹھ کر محفل میں حاضری دیتے، کچھ یہی حال جنازوں میں شرکت کا بھی تھا اور مریضوں کی عیادت کا بھی۔

درس کے نقصان پر کبیدہ خاطر ہوتے: کبھی کسی دشواری سے واپسی ہوتی تو اس پر صرف یہ اظہار فرماتے کہ درس کا نقصان ہو گا یا درس کا نقصان ہو گیا محض سفر کی صعوبت کا تذکرہ نہیں کرتے۔

ایک مرتبہ فرمایا: ”دین کی راہ میں جب نکلتا ہوں تو مجھے راحت ملتی ہے“، یہ اس وقت فرمایا جب عقیدت مندوں نے کہا حضرت اب سفر بند کر دیجیے یا کم سفر کیجیے کہ کمزوری بڑھ گئی ہے، تو آپ نے مذکورہ بالا ارشاد اپنی زبان پاک سے فرمایا اور جواب دیا۔ زمانۂ تدریس میں جو تنخواہ ملتی لے لیتے کبھی اضافہ تنخواہ کی درخواست نہ دی، نہ کسی طرح تنخواہ کی کمی کا اظہار کیا، اشارہ بھی نہیں کیا۔

کم خوراکی اور آدابِ دسترخوان: توکل، قناعت اور صبر کا یہ عالم تھا کہ کھانے میں جو مل جاتا کھا لیتے، نہ گھر پر فرمائش کرتے کہ یہ کھاؤں گا وہ کھاؤں گا، نہ کہیں مہمان ہوتے تو کسی قسم کے کھانے کا مطالبہ کرتے۔ کم خوراکی میں بھی حافظ ملت علیہ الرحمہ بے مثل تھے، دسترخوان پر آپ کے برابر شاید ہی کوئی کھاتا لیکن آہستہ آہستہ کھاتے کہ زیادہ کھانے والوں کا ساتھ دے دیں یہ نہیں کہ تھوڑا کھا کر اٹھ جائیں اور لوگ کھاتے رہیں تاکہ دوسرے مزید کھانے والوں کو شرمندگی نہ ہو، یہ حافظ ملت کے اخلاقی بلندی کا بھی ثبوت ہے۔

اضافہ تنخواہ کا مطالبہ نہیں کیا: آخر عمر میں تنخواہ لینا بالکل بند کر دیا تھا، کسی دوسرے حیلے بہانے سے بھی لوگوں نے دینا چاہا پھر بھی قبول نہیں کیا، یوں ہی چندے کا کمیشن یا محنتانہ بھی کبھی نہیں لیا، حافظ ملت کی پاکیزہ اور زاہدانہ زندگی کی یہ ادائیں ہمارے لیے درس عبرت ہیں۔

بانی رکن المجمع الاسلامی مبارک پور اعظم گڑھ

بغیر سالن کے کھانا: قناعت اور صبر کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ کھانا سامنے آیا، صرف روٹی تھی، آپ نے پورا کھانا کھا لیا صاحب زادی نے بعد میں سالن لا کر دیا اور عرض کیا کہ روٹی رکھ کر میں سالن لانا بھول گئی تھی، حافظ ملت نے نہ توڈانٹا، نہ غصے کا اظہار کیا بلکہ فرمایا میں نے سمجھا کہ آج صرف روٹی ہی کھانی ہے سالن کا انتظام نہیں ہے، نہ ہی روٹی آنے پر سالن کا مطالبہ کیا، یہ اللہ کے نیک مقبول اور متوکل بندوں کی عادت ہے، اس میں حسن اخلاق کا بھی بہت بڑا سبق ہے۔

جو کہتے اس پر عمل کرتے: جو کہتے اس پر سختی سے عمل کرتے، ایسا نہیں تھا کہ کہا کچھ اور کیا کچھ، گویا:

"يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ"۔(الصف:2/61)

اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو وہ جو نہیں کرتے۔(کنز الایمان) کے سچے مصداق تھے حافظ ملت علیہ الرحمہ۔

اس آیت کے شان نزول میں کئی اقوال ہیں، ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ منافقین کے حق میں نازل ہوئی جو کسی دینی کام مثلاً: جہاد وغیرہ کا وعدہ کرتے مگر اسے پورا نہ کرتے، اس طرح جو بغیر عذر شرعی کے اپنے قول پر عمل نہ کرے تو اس کا یہ عمل بھی منافقین کا عمل ہے۔

حافظ ملت علیہ الرحمہ کسی جلسے وغیرہ میں جانے کا وعدہ کر لیتے تو حتی الامکان ضرور جاتے اور اگر کوئی عذر ہوتا پہلے ہی خبر کر دیتے۔ یا اپنی جگہ کسی مناسب آدمی کو بھیجتے، چنانچہ حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کا جس دن رات میں وصال ہوا اس دن خلیل آباد جلسے میں جانے کا وعدہ تھا لیکن جب طبیعت زیادہ خراب ہو گئی، حاضری میں دشواری محسوس کی تو صاحب زادہ گرامی وقار حضرت مولانا عبد الحفیظ (عزیز ملت دامت برکاتہم) کو اپنی جگہ بھیج دیا، حضرت عزیز ملت راستے ہی میں تھے کہ حضرت حافظ ملت کا انتقال ہو گیا، اس وقت انتقال سے پہلے فرمایا: "اب میں عبد الحفیظ کا انتظار نہ کروں" واقعہ یہ ہے کہ لوگوں سے پوچھا: عبد الحفیظ کہاں ہیں؟ بتایا گیا کہ حضرت! وہ تو خلیل آباد گئے ہیں، تب فرمایا کہ تو اب میں عبد الحفیظ کا انتظار نہ کروں، گویا آپ کو دنیا کے خیر باد کہنے کا پورا پورا احساس ہو گیا تھا۔

وعدہ وفائی کا اس درجہ پاس تھا، موت کا وقت قریب ہے پھر بھی خود جانے لائق نہیں تو صاحب زادے کو بھیج دیا کہ کہیں کوئی یہ نہ کہے کہ خود بھی نہیں آئے کسی کو اپنی جگہ بھیجا بھی نہیں۔

ایک مرتبہ بنارس محلہ محمد شہید کی مسجد میں ایک جلسے کا پروگرام رکھا گیا، اس میں حافظ ملت کو مدعو کیا گیا، حضرت نے منظوری بھی دے دی تھی مگر کسی عذر کی وجہ سے جانا مشکل تھا تو مولانا ابو محمود صاحب کو خط لکھا کہ "میں فلاں مجبوری کی وجہ سے جلسے میں نہ آ سکوں گا، آپ مجھے معذور رکھیں اور فلاں مولانا صاحب کو بلالیں ان شاءاللہ آپ کا جلسہ کامیاب ہو جائے گا" قبل از وقت خبر ہو گئی تھی اس لیے ذمہ داروں نے جلسہ ہی کینسل کر دیا اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ جلسہ خاص حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی تشریف آوری کی غرض سے منعقد کیا گیا تھا لہٰذا جب پتہ چل گیا کہ حضرت علیہ الرحمہ تشریف نہیں لائیں گے تو جلسہ ملتوی کر دیا گیا۔

غرض کہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ وعدے کے بڑے پکے تھے، وہ جانتے تھے کہ وعدہ کر کے پورا کرنا ایک مومن کی ذمہ داری ہے۔ دوسرے وعدے کے مطابق نہ پہنچنے سے جلسے والوں کی سبکی ہوتی ہے اور سامعین پر بھی اس کا برا اثر پڑتا ہے، حدیثوں میں بھی وعدہ وفائی کی بڑی تاکید آئی ہے اور وعدہ خلافی منافق کا طریقہ بتایا گیا ہے۔

بغیر معاوضہ تعویذ لکھنا: خدمت خلق اور لوگوں کی حاجت برآری کے لیے حافظ ملت علیہ الرحمہ خود بھی تعویذات لکھتے اور مولانا نصیر الدین مصباحی پلاموی (سابق استاد جامعہ اشرفیہ مبارک پور) سے لکھواتے اور خود بھی لکھ کر انھیں دے دیتے کہ حاجت مندوں میں تقسیم کر دیں لیکن کبھی بھی پیسے کا مطالبہ نہ کیا، نہ ہی اس کا اشارہ کیا، نہ کسی حیلے بہانے سے کچھ حاصل کیا۔ جمعہ کے دن خاص طور سے حضرت کی قیام گاہ پر حاجت مندوں کی بھیڑ لگتی

تھی، حتی الامکان سب کی حاجت روائی بھی کی جاتی تھی۔

بہت اہم ضرورت سے کوئی آتا جمعہ کے علاوہ دنوں میں بھی، تو اسے تعویذات عنایت فرماتے اور میں نے دیکھا کبھی ایسے موقع پر کبیدگی اور دل برداشتگی کا اظہار نہیں فرمایا۔ حاجت مندوں کو جھڑکتے ڈانٹتے نہیں البتہ کوئی بے وقت آجاتا تو اسے سنجیدگی کے ساتھ تنبیہ فرماتے اس طرح کہ یہ تعویذ کا وقت نہیں۔ اُس وقت فوٹو کاپی بھی نہیں ہوتی تھی اس لیے اندازہ لگائیں کہ کس قدر تعویذ لکھنی پڑتی تھی۔ صحیح ہے اللہ والے، اللہ کے بندوں کو محروم نہیں کرتے، ان کا سایہ کرم سب پر دراز ہوتا ہے۔

حافظ ملت نے خانقاہوں کو جوڑنے کا کام کیا ہے:

حافظ ملت علیہ الرحمہ خانقاہوں کو درسگاہوں سے جوڑنے کا بھی فن جانتے تھے، وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر خانقاہوں کے بچے دین کا علم نہیں حاصل کریں گے تو جاہل رہ جائیں گے اور وابستگان سلسلہ کی تعلیم و تربیت نہیں کر سکیں گے، نہ خود کو سدھار سکیں گے، نہ مریدین کو۔ اس لیے ان کو دینی تعلیم سے آراستہ کرنے کی ترکیب ضروری ہے، اسی لیے حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ نے خانقاہی طلبہ پر خصوصی توجہ دی۔ بارہ بنکی دیوہ شریف کی ایک خانقاہ ہے چشتیہ سلطانیہ، وہاں کے سجادہ نشین تھے مولانا سید سلطان ضمیر الحق چشتی علیہ الرحمہ۔ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے ان سے گزارش کی کہ آپ اپنے بچوں میں کسی کو میرے حوالے کر دیں تاکہ میں انھیں دینی علوم سے آراستہ کر کے آپ کے حوالے کر دوں، چنانچہ انھوں نے اپنے صاحبزادے جناب مولانا سید محمد فاروق چشتی کو حافظ ملت کے حوالے کر دیا چنانچہ وہ یہاں آئے اور پرانے مدرسے میں ان کا قیام تھا، دوران طالب علمی میری ان سے بارہا کی ملاقات رہی، پھر کوئی رابطہ نہ رہا، اتفاق ایسا ہوا کہ مالیگاؤں ناسک (مہاراشٹر) میرا آنا جانا ہوا تو معلوم ہوا کہ سید فاروق چشتی صاحب کے کئی مریدین نے مجھے بتایا کہ میں مولانا سید فاروق چشتی بارہ بنکی والے کا مرید ہوں، میں نہیں سمجھ سکا کہ یہ وہی سید فاروق چشتی ہیں جو اشرفیہ میں پڑھتے تھے، حسنِ اتفاق کہ ایک دن میری ان کی ملاقات مالیگاؤں ہی میں ہوگئی، دیکھ کر میں فوراً پہچان گیا اور مجھے بڑی خوشی حاصل ہوئی کیوں کہ عرصۂ دراز کے بعد میں ان سے ملا تھا، الحمدللہ مالیگاؤں میں ان کی باضابطہ خانقاہ بھی ہے اور قرب و جوار میں بھی ان کے مریدین کی بڑی تعداد ہے اور ان کے قائم کیے ہوئے مدارس بھی ہیں۔ حضور حافظ ملت نے اگر یہ توجہ نہ کی ہوتی تو معلوم نہیں سید صاحب کا کیا حال ہوتا، کیوں کہ وہ اس وقت اسکول میں زیر تعلیم تھے، حافظ ملت نے انھیں اسکول سے مدرسے کی راہ دکھائی، بعد میں ان کے والد صاحب نے حافظ ملت کی گزارش پر کان دھرا اور اپنے فرزند کو حافظ ملت کے حوالے کر دیا اور اس کا نہایت خوشگوار نتیجہ سامنے آیا، تلاش کیا جائے تو اس کی اور بھی بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ مولانا سید محمد فاروق چشتی دامت برکاتہم کی حیات میں برکتیں دے اور ان کے روحانی فیوض و برکات کو عام فرمائے، آمین۔

حافظ ملت اور امامت کا پیشہ: حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان نے امامت کو پیشہ نہیں بنایا، پنج وقتہ نماز ہو یا جمعہ وغیرہ کی ہمیشہ بلا تنخواہ امامت کا فریضہ انجام دیتے رہے، ایک مرتبہ فرمایا:

"میاں امامت کوئی کام یا پیشہ ہے، نماز تو پڑھنی ہی ہے کہ فرض ہے بس پیچھے نہیں آگے پڑھ لیا"۔

جو لوگ پیشہ وارانہ امامت کرتے ہیں ان کے لیے حافظ ملت کا یہ ارشاد بڑا معنیٰ رکھتا ہے اور بہت بڑا درس عبرت بھی ہے۔

حافظ ملت عفو و درگزر کے بھی پیکر تھے: کوئی کیسا بھی دشمن ہوتا، راستہ چلتے برا بھلا کہتا لیکن حافظ ملت نہ جواب دیتے، نہ نظر اٹھا کر اس کی طرف تاکتے، نتیجے کے طور پر وہ خاموش ہو جاتا، یا عتاب الٰہی کا شکار ہو جاتا۔

ایک مرتبہ کسی عقیدت مند نے عرض کیا لوگ آپ کو کیا کیا کہتے ہیں آپ انھیں جواب نہیں دیتے، فرماتے میں اگر جواب کے چکر میں پڑوں گا تو اپنے کام میں پیچھے ہو جاؤں گا، مجھے کام کرنا ہے، لوگوں کو جو کہنا ہے کہیں، اس سے میرا کچھ

نہیں بگڑتا۔ یہ بھی قرآن پاک کی ایک آیت پر عمل ہے، وہ یہ ہے:
خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ۔ (اعراف 7،199)

اے محبوب! معاف کرنا اختیار کرو اور بھلائی کا حکم دو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو۔ (کنزالایمان)

اس آیت میں درگزر کرنے اور بھلائی کا حکم دینے یعنی جو غلطی کرے اس کو درگزر کرو اور نیکی کا حکم دو یعنی جو برائی کرے اس کے ساتھ بھلائی کرو اور جو جہالت پر آمادہ ہو اس سے منہ پھیر لو، جواب دینے کی کوشش نہ کرو، جاہل وہی نہیں جو بے علم ہو بلکہ علم کے باوجود جو بد خلقی پر آمادہ ہو وہ بھی جاہل ہے کہ اخلاقی قدریں نہیں جانتا۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کا اس آیت پر بھی سختی سے عمل تھا، جس کی وجہ سے حافظ ملت کا کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکا اور حافظ ملت اپنے مشن میں کامیاب ہوئے، بہت سے دشمن دوست بھی بن گئے۔ الجامعۃ الاشرفیہ کی تعمیر کے وقت اس کے بہت سے مناظر سامنے آئے، دیکھنے والے ابھی بھی مبارک پور اور دیگر مقامات پر موجود ہیں، ناچیز راقم الحروف نے بھی اس کے بہت سے مناظر اپنی نگاہوں سے ملاحظہ کیے، ایسے ہی ایک موقع پر حافظ ملت نے فرمایا: ہر مخالفت کا جواب کام ہے، ہمیں کام کرنا ہے جو مخالفت کرتے ہیں، انھیں کچھ نہیں کرنا ہے (یعنی انھیں کوئی تعمیری کام نہیں کرنا ہے)۔

یہ آیت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہوئی، اس کے مخاطب سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی ہیں لیکن سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے میں پوری امت محمدیہ کے لیے اس میں درس و تعلیم ہے۔ یہ آیت اسلامی اخلاق کا آئینہ ہے، اس کو مشعل راہ بنانے سے آدمی کی شخصیت نکھرتی اور بلند ہوتی ہے۔

نماز تہجد کی پابندی: سفر و حضر میں ہر جگہ حافظ ملت نماز تو نماز، تہجد کی بھی پابندی کرتے تھے۔ دنیا میٹھی نیند کے مزے لے رہی ہے، آرام کے بستر پر محو خواب ہے اس وقت بیدار ہو کر رب کو یاد کرنا اور اس کی بارگاہِ بے نیاز میں سر بسجود ہونا گھر والوں اور دنیا والوں کو اپنے حال پر چھوڑ دینا اور معبود حقیقی کی بارگاہ میں لذت عبادت کے مزے لوٹنا کسی زہد سے کم نہیں، جو زاہد ہوگا وہی تہجد کی عظمت کو دل میں جگہ دے گا اور شب کے سناٹے میں رب العلمین کی رضا چاہنے کو اٹھ کھڑا ہوگا، یہ حافظ ملت کی زاہدانہ و عارفانہ زندگی کا بہت بڑا ثبوت ہے۔

حتیٰ کہ جلسوں میں شرکت کے باوجود حافظ ملت تہجد ترک نہیں کرتے تھے، کب کیسے اور کس حکمت سے تہجد کے لیے وقت نکال لیتے تھے، یہ حافظ ملت ہی کے بس کی بات تھی۔

رات میں جس قدر بھی شب بیداری ہو جائے، صبح واپسی کے لیے تیار ہو جاتے تاکہ سواری نہ چھوٹنے پائے اور درسگاہ کا بھی نقصان نہ ہو۔ جلسوں سے واپسی کے وقت صبح کو ناشتے کی فکر نہیں کرتے، زیادہ تر بغیر ناشتے ہی کے نکل پڑتے، ہاں! پیٹی میں ابلا انڈا رکھتے بعد فجر اس کو استعمال کر لیا کرتے۔ اس کی بھی میزبان سے فرمائش نہیں کرتے۔ یہ گھر ہی سے ساتھ لے لیتے تھے اور مدرسہ پہنچنے پر بھی سیدھے درسگاہ جاتے، ناشتے وغیرہ کے لیے کہیں رکتے نہیں، درس کی گھنٹی کے درمیان موقع نکال کر صرف چائے نوش کر لیا کرتے، دوپہر کو قیام گاہ پر جا کر جو کھاتے بس وہی کھاتے۔

قلت طعام، قلت منام اور قلت کلام پر بھی حافظ ملت سختی سے عامل تھے۔ فضول گفتگو، بلند آواز سے باتیں کرنا ایسا لگتا ہے کہ جانتے ہی نہیں۔ ہر وقت ذکر الٰہی آپ کی عادت کریمہ تھی، زیادہ تر قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول رہتے، اسی کو ایک حدیث میں افضل اعمال بتایا گیا ہے۔ حافظ ملت اسی کے عادی اور عامل تھے۔ یہ تھی حضور حافظ ملت کی زاہدانہ اور عارفانہ زندگی جس کی ایک ایک ادا ہمارے لیے درس عبرت و نمونہ عمل ہے۔ لہٰذا حافظ ملت صرف درس گاہ کے بادشاہ نہ تھے، فکر و عمل، زہد و تقویٰ اور عارفانہ زندگی کے بھی عامل تھے۔ رب کائنات ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

■■■■■

آئینۂ وطن

اب نصابی کتابوں میں بھی زعفرانی رنگ

مولانا محمد شہاب الدین رضوی بریلوی

موجودہ ہندوستان کے تہذیب و تمدن، جغرافیائی خد و خال، اور تاریخی لٹریچر پر شب خون مارنے کی تیاری ہو رہی ہے۔ وہ مخصوص طبقہ جو حسرت و یاس میں ۷۵ سال سے مہر بلب تھا، وہ اب کھل کر میدان عمل میں کود پڑا ہے اور حسن اتفاق کہیے یا شومیٔ قسمت کہ اس مخصوص طبقہ کو سیاسی اقتدار کی سرپرستی حاصل ہو گئی ہے۔ ان زعفرانی صاحبان اقتدار نے کبھی بابری مسجد اجودھیا، شاہی عید گاہ متھرا اور گیان واپی مسجد بنارس کو اپنا ہتھیار بنایا تھا اور اب باشندگان ہند کی نونہال نسل کو اپنا ہدف مقرر کر لیا ہے۔ اس جدید نسل کے دل و دماغ اور ذہن و فکر میں مسلم بادشاہان ہند کے خلاف نفرت پیدا کرنے کے لیے اسکول اور کالجوں کے ”نصاب تعلیم“ کو زعفرانی رنگ میں رنگنے کی جدوجہد شروع کر دی ہے۔ ابھی حال ہی میں NCERT کی نصابی کتابوں میں مسلم بادشاہان ہند کی تاریخی اور حکمرانی تصویر کو مسخ کر کے پیش کیا گیا۔ کتاب میں بابر کو بے رحم، اکبر کو سفاک، اور اورنگ زیب عالمگیر کو مندر توڑنے والا تحریر کیا گیا ہے۔ ”جزیہ“ جو اسلامی ممالک میں غیر مسلموں کو جان و مال اور عزت و آبرو کی ضمانت کے طور پر تھا، اسی کو عوامی ذلت و رسوائی کا ذریعہ اور اسلام مذہب قبول کرنے کے لیے مالی ”ترغیب“ اور لالچ کے طور پر بیان کیا گیا ہے، اس کو ”تاریخ گڑھنا“ کہا جاتا ہے۔ ماضی میں ہمارے پاس بہت سارے شواہد ہیں کہ ایسے افراد آزادیٔ ہند میں تاریخ کا حصہ بنے ہوئے ہیں جنھوں نے انگلی کٹا کر شہیدوں میں نام لکھوایا۔ اور جن لوگوں نے اپنی بیش قیمتی جانیں قربان کر دیں، تاریخ نے ان کو یکسر فراموش کر کے نام و نشان مٹا دیا۔

ہم ذیل میں نصابی کتابوں کی تاریخ میں بے جا مداخلت، توڑ مروڑ اور جدید نسل کے ”برین واش“ کرنے کی تیاری کا جائزہ پیش کریں گے اور غیر مسلم حکمرانوں کے ذریعہ مسجدوں کے مسمار کیے جانے کا بھی تذکرہ کریں گے، جس کا اب چرچا نہیں ہوتا۔

آٹھویں جماعت کے نصاب کے لیے تاریخ کے مضمون سے متعلق ایک کتاب آئی ہے، یہ کتاب حکومت کے منشا و مرضی کے مطابق تاریخی حقائق کو توڑ مروڑ کر نئی نسل کے ذہن کو انتہائی نفرت زدہ کرنے کے لیے قومی کونسل برائے تعلیم و تحقیق و تربیت (NCERT) نے جاری کی ہے۔ سوشل سائنس کی اس کتاب میں عہد مغلیہ کے بادشاہوں کو ظالم، جابر، بے رحم، سفاک، قاتل اور پوری انسانی آبادی کا صفایا کرنے والا بتایا گیا ہے۔ ایسی تصویر پیش کی ہے جس کی مثال ماضی میں نہیں ملتی۔ کئی مؤرخین اور سماجی تنظیموں نے کتاب کو سماج میں زہر گھولنے والی قرار دیا ہے، جب کہ NCERT نے اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ: جدید نسل کو ملک کے تاریک دور کی جانکاری سے واقف کرانا ضروری ہے۔ حال ہی میں ہونے والی NCERT کی سوشل سائنس پارٹ 1 کے ”ایکسپلورنگ سوسائٹی، انڈین اینڈ بی اونڈ“ یعنی بھارت اور اس کے آگے ہندوستانی سماج کی تلاش میں ”مغلیہ عہد کی جانکاری دیتے ہوئے مغل بادشاہوں کو ظالم، مذہب اسلام کے لیے دوسرے مذاہب کے لوگوں کو قتل کرنے والے، دیگر مذاہب کے لوگوں کو برداشت نہ کرنے والے، اور ان کی عبادت گاہوں کو منہدم کرنے والے بتایا گیا ہے۔ اس کتاب میں ۱۳ ویں سے ۱۷ ویں صدی کی تاریخ کو سمیٹنے کی کوشش کرتے ہوئے اس دور کو تاریک عہد قرار دینے کی سعی بلیغ کی گئی ہے، کتاب میں لکھا گیا ہے کہ: راجستھان کے چتوڑ گڑھ قلعے پر جس وقت حملہ کیا گیا، اس وقت اکبر کی عمر ۲۵ برس تھی اور اس نے ۳۰ ہزار لوگوں کا قتل عام کیا تھا، جن میں عورتیں اور بچے بھی بڑی تعداد میں شامل تھے۔ جب کہ غیر

مسلم صاحبانِ اقتدار نے مسلمانوں پر کتنا ظلم کیا ہے، وہ سب تاریخ کا حصہ ہیں، مگر ان تمام واقعات سے پہلو تہی کی گئی ہے۔ کتاب میں اکبر کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ: "ہم نے کافروں کے قلعوں اور قصبوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ خون کی پیاسی تلواروں کی مدد سے ہم نے ان کے دلوں سے کفر کے نشانات تک مٹا ڈالے ہیں۔ ہم نے وہاں کے مندروں کو بھی تباہ کر ڈالا ہے جب کہ مسلمہ حقیقت ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا۔ کتاب میں حضرت اورنگ زیب کے حوالے سے لکھا گیا ہے کہ: اورنگ زیب نے اسکولوں اور مندروں کو منہدم کرنے کا حکم دیا تھا۔ کتاب کے مطابق: بنارس، متھرا، اور سومناتھ سمیت جین مندروں اور سکھوں کے گردوارے بھی تہس نہس کیے گئے۔ اور پارسیوں کی عبادت گاہوں کو ڈھانے، نیز صوفیوں کے مزارات توڑنے کا بھی کتاب میں ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت اورنگ زیب اور دیگر مسلم بادشاہوں نے مندروں کو ہزاروں بیگھہ زمین عطیہ کے طور پر دی، وہ سب فراموش کر دیا۔ حکومت جان بوجھ کر مسلم طبقہ کی دل آزاری کرنے اور سماج میں نفرت و تعصب پیدا کرنے کے لیے یہ تبدیلی کرا رہی ہے۔ بعض مؤرخین کا یہ بھی کہنا ہے کہ: اس کتاب کے ذریعے نئی نسل کو تاریخی حقائق سے محروم رکھنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

کتاب میں تاریخ کے ماخذ، معیار اور حقائق کا بالکل خیال نہیں رکھا گیا۔ کتاب میں حقائق کے بجائے روایت، قصہ، کہانیوں اور افسانوں کو شامل کیا گیا ہے۔ اس کتاب کو پڑھ کر نئی نسل اندھی تقلید اور گمراہی میں مبتلا ہوگی، NCERT نے اعتراضات کو مسترد کرتے ہوئے کہا ہے کہ: ہم نے معتبر ذرائع سے موصولہ حقائق کی بنیاد پر متوازن تاریخی تفصیل پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن NCERT نے ان معتبر ذرائع کے حوالے نہیں دیے ہیں۔ پورا حکمراں طبقہ اپنے مخصوص نظریہ کی اشاعت و تشہیر میں منہمک ہے۔ اس سے چھٹکارا پانا مشکل نظر آ رہا ہے تاہم ہر مسلم دانشور اور تنظیموں کو جد و جہد جاری رکھنی چاہیے۔

تاریخ ایک ایسا مضمون ہے جو ماضی کے واقعات، تجربات، کوتاہیوں اور خامیوں سے واقف کرا کے مستقبل کو روشن و بہتر بنانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ لیکن جب اس مضمون کو بھی سیاسی مفادات کے لیے تعصب اور تنگ نظری کے ساتھ استعمال کیا جانے لگے گا تو نئی نسل کس زہریلے ذہن کے ساتھ دیگر مذاہب کے لوگوں کے ساتھ پیش آئے گی، اس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، آج کی دنیا گہری تحقیق کے بعد حقائق تک پہنچنے کی طرف گامزن ہے، لیکن ہماری آٹھویں کلاس میں پڑھائی جانے والی کتاب حقائق سے پرے ہوگی تو دنیا میں ہمارا مذاق ہی بنے گا۔ NCERT کو چاہئے کہ ایسی کتاب کو نئی نسل کے ہاتھوں میں نہ پہنچائے، جس کو پڑھ کر دنیا ہماری ذہنی پسماندگی پر تبصرے کرے بلکہ اس طرح کے نصاب ترتیب دے کہ ترقی کرتی ہوئی دنیا میں ہماری نئی نسل اپنی انفرادی شناخت قائم کر سکے اور ملک کی جمہوری قدریں مضبوط ہوں۔

غیر مسلم مفکرین اسی طرح عبادت گاہوں کے انہدام کا مسئلہ بھی اٹھاتے ہیں، بعض مسلمان فرماں رواؤں نے اپنے احساس برتری، فاتحانہ غرور، سپاہیانہ غیظ و غضب، حربی جوش اور حصول دولت کی طمع میں کچھ مندر ضرور منہدم کیے۔ جس کا ذمہ دار آج کل اسلام کو سمجھا جا رہا ہے۔ کسی بادشاہ کے ذاتی فعل کو اسلام کا قانون مشہور کرنے میں بعض غیر مسلم مؤرخین تامل نہیں کرتے اور مسلمانوں کی طرف اس کی مدافعت اور معذرت میں ہر قسم کا زور صرف کیا جا رہا ہے۔ الیکٹرانک میڈیا اور پرنٹ میڈیا کا پورا زور ہے کہ مسلم بادشاہوں نے ہزاروں مندر توڑے۔ ان سے جب بدھشٹوں کے مندروں کو توڑے جانے کی بات کرتے ہیں، تو پھر بغلیں جھانکنے لگتے ہیں، اس کا جواب نہیں بن پڑتا۔ اس تنازعہ کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ہندوستان کے علما نے مسلم حکمراں اور غیر مسلم رعایا کی حیثیت کو پورے طور سے واضح کرنے کی کوشش نہیں کی، حالاں کہ شروع میں محمد بن قاسم نے سندھ میں اپنی غیر مسلم رعایا کو وہی حیثیت دی جو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اہل فارس کو

دی تھی، یعنی ان کو تشبہ اہل کتاب تسلیم کیا، جس کے معنی یہ ہیں کہ دو باتوں کے سوا یعنی نکاح اور ذبیحہ کے علاوہ اور تمام امور میں ان کے ساتھ اہل کتاب کا برتاؤ کیا جائے، اور ان کے مندروں کی حیثیت ایران کے آتش کدوں کی طرح رکھی گئی اور جس طرح صحابہ نے آتش کدے نہیں توڑے، اسی طرح مصالحت کے بعد مندر بھی محفوظ رہنے دیے گئے۔ یہ باتیں تاریخی کتابوں میں بھری پڑی ہیں، وہاں دیکھا جا سکتا ہے۔

تاریخ میں ہے کہ محمد بن قاسم نے اپنی غیر مسلم رعایا کے ساتھ بڑی رواداری اور محبت کا ثبوت دیا، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ایک روایت کے مطابق محمد بن قاسم کے جانے کے بعد وہاں کے لوگ اس کا ”بت“ بنا کر پوجتے تھے، حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کے حکمرانوں میں ترک اور مغل زیادہ تر نو مسلم تھے، اسلام نے ان کو تہذیب اور شائستگی کا لباس ضرور پہنایا تھا مگر وہ اپنی قبائلی اور نسلی خصوصیات کو بالکل بھول نہ سکے، اس لیے اپنی معاشرت کو بہت زیادہ اسلامی رنگ نہیں دے سکے، ان کے ساتھ جو علما رہے وہ بھی ترکستانی اور ماوراء النہری تھے، جن کا مذہبی فکر و تدبر بھی نسلی خصوصیت سے خالی نہ تھا، ”راعی“ اور ”رعایا“ کے رشتہ کو بھی اسی انداز میں سوچتے تھے اور انھوں نے کبھی ان کی حیثیت کو واضح کرنے کی کوشش نہیں کی، وقتی ضرورت اور مصالح کی بنا پر فتاوے دیتے رہے، اگر ترکوں اور مغلوں کے بجائے عرب حکمراں ہوتے اور ان کے جلو میں حجاز کے علما رہتے تو وہ دین اسلام کے حقیقی عامل اور اس کے مزاج شناس ہونے کی وجہ سے اسلام اور اسلامی زندگی کو کچھ ایسے رنگ میں پیش کرتے کہ آج ہندوستان کی تاریخ کچھ اور ہوتی۔ دربار کے حاضر باش میں مصلحت کوشی کا عنصر ہر جگہ پایا جاتا ہے اور آج بھی سجادگان کے ہم نشیں یا برسر اقتدار مسلم رہنما کے درباریوں میں آپ کو کوئی فرق محسوس نہیں ہوگا۔ ان کو دیکھنے کے بعد ماضی کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

جہاں تک عبادت گاہوں کے انہدام کا تعلق ہے، اس میں مذہبی جوش سے زیادہ سیاسی غلبہ و اقتدار کو دخل تھا، اسی لیے مسلمانوں کے دور حکومت میں ہندو راجاؤں کے ہاتھوں مسجدوں کے انہدام کی مثالیں بھی بکثرت موجود ہیں، چنانچہ وجیا نگر کے راجہ نے احمد نگر پر غلبہ پایا تو وہاں کی مسجدوں کو منہدم کیا اور ان کے احاطہ میں رقص و سرود کی مجلس قائم کی۔ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے اپنے مکتوبات میں جہانگیر سے اصرار کیا ہے کہ: وہ اپنے دور کی منہدم مسجدوں کو پھر سے تعمیر کرائیں، شاہجہانی عہد میں بہت سی مسجدیں مسمار کر دی گئی تھیں اور ان کی جگہ پر مندر بنا دیے گئے تھے، شاہجہاں کو خبر ہوئی تو اس نے کوئی عام سزا نہیں دی، بلکہ جن مسجدوں کو گرا کر مندر بنا دیے گئے تھے، وہاں پھر سے مسجدیں بنا دی گئیں، مرہٹے ستارہ اور پرلی کے قلعوں میں داخل ہوئے تو بیجا پور کے حکمرانوں کی تعمیر کردہ مسجدوں کو مسمار کر دیا، اس لیے اگر مسلمان حکمرانوں اور فاتحوں نے اپنے طاقت اور قوت کے غرور میں مندروں کو منہدم کیا تو یہ ان کا ذاتی فعل تھا، جس کے لیے کوئی معذرت پیش کرنے اور شرم سے سر جھکانے کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ کوئی قوم ایسی نہیں جس کے تمام فرماں روا مذہبی و اخلاقی معیار پر ہر زمانہ میں پورے اتر سکیں اور ہر اعتراض سے پاک ہوں، اچھوں اور بروں سے تاریخ کا کوئی دور خالی نہیں، البتہ اس سلسلہ میں مذہب کو بحث میں لانا صریحاً بد دیانتی اور بدطینتی ہے۔ آج کے مسلمانوں کو مورد الزام ٹھہرانا یا مذہب اسلام کے لیے یہ کہنا کہ اسلام اسی طرح کی تعلیم دیتا ہے، یہ سب بکواس اور لایعنی باتیں ہیں۔ آج کا مسلمان پانچ سو سال پہلے کے واقعات کی ذمہ داری کیسے لے سکتا ہے، جب کہ ہم سناتن مذہب کو ذمہ دار نہیں ٹھہراتے، مسجدوں کے انہدام کی ذمہ داری ہم صرف ہندو راجاؤں پر ڈالتے ہیں نہ کہ آج کے ہندو لوگوں پر۔

یہ ہندوستان کی تاریخ کی عجیب ستم ظریفی ہے کہ جن مسلم حکمرانوں پر مذہبی تعصب، ہندو کشی اور مندروں کے انہدام کا الزام لگایا جاتا ہے وہ زیادہ تر ہندو عورتوں کے بطن سے پیدا تھے، عام طور سے مؤرخین انہدام مندر کے سلسلہ میں فیروز

شاہ تغلق، سکندر لودی، جہانگیر، شاہجہاں اور اورنگ زیب عالمگیر کا ذکر کرتے ہیں۔ اول الذکر چاروں حکمرانوں کی مائیں ہندو تھیں اورنگ زیب عالمگیر کی ماں تو نہیں لیکن دادی راجپوت شہزادی تھی اور اسی لیے بعض ہندو اہل نظر کی رائے یہ ہے کہ: ان مخلوط شادیوں سے جو نسلیں پیدا ہوئیں، وہ ہندوؤں کے لیے خالص خون والے مسلمانوں سے زیادہ مخالف اور متعصب ثابت ہوئیں، اور پھر اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اورنگ زیب عالمگیر کے مذہبی تعصب کی بنا پر شیواجی پیدا ہوا تو اکبر جیسے روادار حکمراں کے عہد میں رانا پرتاپ کا وجود سمجھ میں نہیں آتا، یہ دونوں ہندوؤں کے قومی ہیرو بن گئے ہیں، جن کو بڑے سے بڑا وطن پرست مسلمان بھی اپنا قومی ہیرو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں، اسی لیے ایک خاص مکتب خیال کے لوگوں کو کہنے کا موقع مل جاتا ہے کہ متحدہ قومیت کی اساس خارجی وحدت پر نہیں، بلکہ داخلی وحدت پر ہے اور طرفہ تماشہ یہ کہ مسلم بادشاہوں کو طعن و تشنیع کا مرکز بنا کر آج کے مسلمانوں کے خلاف زہر افشانی میں کوئی کمی نہیں برتی جارہی ہے۔

آج کے ہندو مفکرین جزیہ کو ایک توہین آمیز ٹیکس سمجھتے ہیں اور یہ محض اس لیے کہ سلاطین اور علما دونوں نے اس کے روشن پہلو کی وضاحت پوری طرح نہیں کی، جزیہ دراصل اس ٹیکس کو کہتے ہیں جو اسلامی حکومت اپنی غیر مسلم رعایا سے اس خدمت کے معاوضہ میں وصول کرتی ہے کہ وہ ان کے سیاسی، معاشرتی اور مذہبی حقوق کی حفاظت کی ذمہ دار ہے، اس ٹیکس کے لینے کے بعد حکومت ہر طرح سے ذمیوں کے جان و مال کی نگرانی کرتی تھی اور ایسا کرنا اس کے مذہبی فریضہ میں داخل تھا، اور جو حکومت ان کی حفاظت کرنے سے قاصر رہتی، اس کو جزیہ وصول کرنے کا حق نہ ہوتا، اس کے علاوہ کسی عالم یا فقیہ نے جزیہ کا کچھ اور مطلب بتایا تو یہ اس کا قصور ہے، ٹیکس کا نقص نہیں۔ علما کے اصرار کے باوجود مسلمانوں کے پورے دور حکومت میں صرف تین حکمرانوں علاء الدین خلجی، فیروز تغلق، اور اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں یہ ٹیکس لگایا گیا اور اس زمانہ میں یہ ٹیکس اتنا اشتعال انگیز نہیں سمجھا گیا جتنا اب طرح طرح کی موشگافیوں سے سمجھا جانے لگا ہے، اس زمانہ کے تمام راجہ اس کو اور ٹیکسوں کی طرح ایک ٹیکس سمجھ کر ادا کر دیا کرتے تھے اور کسی حال میں وہ اپنے کو کمتر درجہ کا شہری تسلیم نہیں کرتے تھے۔ حالاں کہ اب یہی بتایا جاتا ہے کہ یہ ٹیکس غیر مسلموں کو سیاسی، اقتصادی، مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے تابع بنا کر گری ہوئی حالت میں رکھنے کے لیے عائد کیا جاتا تھا یہاں یہ سوال بجا ہو جاتا ہے کہ جب ہاتھ میں تلوار موجود تھی تو ایسا کرنے کے لیے ٹیکس لگانے کی کیا ضرورت تھی اور ایسے مؤرخ کی کوئی وقعت نہیں ہوگی جو یہ تسلیم نہ کرے کہ ملک گیری کے سلسلہ میں مسلمانوں کی تلوار تو خوب چمکی، لیکن ملک داری میں ان کی تلوار ہمیشہ نیام میں رہی، وہ میدان جنگ میں خواہ کیسی ہی خوں ریزی کرتے لیکن جنگ کے بعد معتدل روش اختیار کر لیتے، کیوں کہ ملک کی زراعت اور تجارت ہندوؤں کے ہاتھوں میں تھی، اونچے عہدہ دار تو مسلمان ضرور تھے لیکن دوسرے تمام عہدے ہندوؤں کے ہاتھوں میں ہوتے تھے، کیوں کہ ان کی مدد کے بغیر حکومت کا ڈھانچہ کھڑا نہیں ہو سکتا تھا اور اگر ان کے ساتھ روادارانہ سلوک نہ کیا جاتا تو تھوڑی تعداد اور قلیل فوج کی مدد سے ہر جگہ مسلمانوں کی حکومت قائم نہیں رہ سکتی تھی۔ ان مسلم بادشاہوں نے رواداری کی بہترین مثال پیش کی ہے، آج کل ہندو مفکرین اور تبصرہ نگاروں کا مسلم بادشاہوں کی ہندو دشمنی کی فرضی کہانیاں خوب بیان کر رہے ہیں۔ یہ وہ افسانوی من گھڑت کہانیاں ہیں جن کو نہ کبھی پڑھا اور نہ ہی ہم نے کہیں سنا۔ گیان واپی مسجد بنارس، شاہی مسجد عید گاہ متھرا، جامع مسجد سنبھل، شمسی جامع مسجد بدایوں اور شاہی جامع مسجد آگرہ وغیرہ میں سروے کے نام پر ایسی شکل و تصویر پیدا کر دی ہے کہ الامان والحفیظ۔ مفروضہ تاریخ، فرضی واقعات، غلط عکاسی دن کے اجالے میں بیان کیے جارہے ہیں۔

☆☆☆

یاد ماضی

اسلام کا نظامِ حِسبہ

گوستاف گریٹباوم کے باطل نظریے کی تردید

ابو التمش اعظمی

اسلامی شریعت اُن سابقہ آسمانی شریعتوں کی مانند نہیں جو اپنے زمانے کی حدود و قیود میں رہ کر منسوخ ہو چکیں، بلکہ اسلامی شریعت تو تمام انسانیت کے لیے ایک ایسا ابدی ضابطۂ حیات ہے جو انسان کی دنیا بھی سنوارتا ہے اور آخرت بھی۔ افسوس کا مقام یہ ہے کہ آج ہم اس صداقتِ جاوداں سے اپنے منہ موڑے ہوئے بیٹھے ہیں۔ ہماری فطرت کے آئینے پر شکوک و شبہات کی دبیز دھند جمی ہوئی ہے، ہمارے ذہن اُن نظریات کے اسیر ہو چکے ہیں جن کی اصل روشنی نہیں صرف دھواں ہے۔ ان نام نہاد ترقی یافتہ نظریات نے ہماری پوری قوم کو محرومی اور ذلت کا اسیر بنا رکھا ہے، لیکن مشاہدے میں یہ بات بھی آئی ہے کہ خود اُن نظریات کی بنیادیں اُن کے اپنے ہی دیار میں زلزلوں کا شکار ہیں، ان کی چمک دمک پھیکی پڑ چکی ہے، گویا وہ نظریاتِ باطل اپنے ہی ہاتھوں اپنی قبر کھود رہے ہیں۔

اسلام محض ایک دین نہیں بلکہ مکمل ضابطۂ حیات ہے، اس میں زندگی گزارنے کے رہنما قوانین کے علاوہ حکومت و ریاست کے لیے ایسے ضابطے موجود ہیں جو انسانی فطرت کے عروج و زوال کے ساتھ ہم آہنگ ہیں۔ انھی قوانین میں سے ایک قانونِ "حسبہ" ہے (یعنی نظامِ احتساب) یہ قانون معاشرے کو دھوکا دہی اور جعل سازی سے پاک خوش حال اور محفوظ زندگی فراہم کرتا ہے۔

لوگ کہیں گے کہ یہ تو ایک پرانا موضوع ہے، جس پر قدیم مصادر میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، پھر اس میں نیا کیا ہے؟ تو حقیقت یہ ہے کہ حسبہ کے قدیم متون سے ماخوذ ہونے کا جو بھی دعویٰ کیا گیا ہے وہ سب کی سب غلط بنیادوں پر ہے۔ مشہور مستشرق (Orientalist) گوستاف گریٹباوم نے اپنی کتاب "الإسلام في العصر الوسيط" میں یہ دعویٰ کیا کہ نظامِ حسبہ "والی المدینۃ" نامی بازنطینی (Byzantine) کتاب سے ماخوذ ہے، یعنی یہ کوئی اسلامی قانون نہیں بلکہ دوسری قوموں سے حاصل شدہ نظام ہے، اسلامی نہیں بلکہ غیر قوموں سے نقل کیا گیا ہے۔ لہٰذا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس نظام پر ایک مختصر نگاہ ڈالیں تاکہ حقیقت حال واضح ہو سکے اور مستشرقین کے جھوٹ کا پردہ فاش ہو سکے۔

حسبہ کا معنیٰ:

لفظ "حِسْبَة" (حسبہ) عربی زبان کے مادّہ "حَسَبَ – يَحْسِبُ – حِسْبَةً" سے ماخوذ ہے، جس کے بنیادی معنی ہیں: "گنتی کرنا، اندازہ لگانا، شمار کرنا، حساب لینا، اور نیکی کی نیت سے کسی کام کو انجام دینا"۔

حِسْبَة لغت میں اُس عمل کو کہا جاتا ہے جو انسان خالصتاً رضائے الٰہی کے لیے انجام دے، خواہ اس میں کوئی دنیاوی منفعت یا ذاتی فائدہ شامل نہ ہو۔ چنانچہ عربی میں کہا جاتا ہے:

فَعَلَهُ احتِسَابًا لِوَجْهِ الله.

یعنی: "اس نے یہ کام صرف اللہ کی رضا کے لیے کیا۔"

اسی سے لفظ "احتساب" بھی نکلا ہے، جس کا مطلب ہے "اللہ کی رضا کے حصول کے لیے عمل کرنا" یا "اللہ کی طرف سے اجر کی امید رکھنا"۔

فقہی و شرعی اصطلاح میں الحسبة کا مفہوم اس سے وسیع ہے۔ علما کے نزدیک "حسبہ" اجتماعی نگرانی کا وہ نظام ہے جس

کے ذریعے اسلامی ریاست میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر (نیکی کا حکم اور برائی سے روکنا) عملاً نافذ کیا جاتا ہے۔ یعنی:

الحِسْبَةُ هيَ وِلايةٌ على الأُمورِ العامّةِ لإقامةِ المعروفِ إذا ظُهِرَ تَركُهُ، وَلِمَنْعِ المنكرِ إذا ظَهَرَ فِعلُهُ .(المصدر: الماوردي، الأحكام السلطانية)

"حسبہ وہ انتظامی اختیار ہے جو عوامی معاملات کی اصلاح کے لیے قائم کیا جاتا ہے، تاکہ نیکی کو قائم کیا جائے جب وہ ترک ہونے لگے اور برائی کو روکا جائے جب وہ ظاہر ہو۔"

حسبہ کی اصل:

یہ خالص اسلامی نظام ہے جس کی بنیاد واضح قرآنی آیات پر ہے، جیساکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ يَّدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ ؕ وَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ○(آل عمران:104)

ترجمہ: "اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلائے، نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔"

مزید ارشاد فرمایا:

وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتُ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍ‌ ۘ يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَيُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ○(التوبۃ:71)

ترجمہ: "مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے رفیق و مددگار ہیں، وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں۔"

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال میں بھی اس نظام کا ثبوت موجود ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غلے کے ایک ڈھیر کے پاس سے گزرے، آپ نے اپنا ہاتھ اس میں ڈالا، تو نمی محسوس ہوئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: "اے اناج والے! یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم، اسے بارش لگ گئی تھی۔ یہ سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تو اسے تم نے اوپر کیوں نہیں رکھا تاکہ لوگ دیکھ لیں۔" اور فرمایا: "جو دھوکے بازی سے کام لے وہ مجھ سے نہیں"۔ (مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کو بھی اس ذمہ داری میں شریک فرمایا۔ آپ نے سعید بن العاص کو مکہ کے بازار کا نگران مقرر فرمایا تاکہ معاشرتی زندگی اسلامی اصولوں کے مطابق چلے اور کوئی دھوکا یا بددیانتی نہ کرے۔

خلفاے راشدین بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس سنت پر عمل پیرا رہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خود بازاروں کا معائنہ کرتے، ترازو اور پیمانوں کو دیکھتے اور گڑبڑ کرنے والوں کو متنبہ کرتے۔ روایت ہے کہ آپ نے ایک اونٹ والے کو مارا اور فرمایا: "تونے اپنے اونٹ پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ لادا ہے"۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بازار مدینہ کے لیے عبداللہ بن عتبہ کو محتسب مقرر کیا اور بعض بازاروں کی نگرانی کے لیے ایک انصاری خاتون الشفاء بنت عبداللہ کو بھی یہ ذمہ داری سونپی۔

فقہاے عظام کی شرط کے مطابق محتسب شریعت کا علم رکھنے والا، حق پر ثابت قدم اور مشکلات کے حل میں بصیرت رکھنے والا ہو، تاکہ وہ اپنے منصب کو درست طریقے سے انجام دے سکے۔ یہ نظام وقت کے ساتھ ساتھ ارتقاپذیر رہا، مگر ہمیشہ اپنے شرعی اصول سے وابستہ رہا۔

اموی اور عباسی خلفا نے بھی حسبہ کا نظام قائم رکھا۔ بعض اوقات یہ کام وہ خود بھی انجام دیتے اور بعض اوقات قاضی یا پولیس کے ذریعے کرواتے۔ خلیفہ مہدی عباسی نے ایک خاص محکمہ قائم کیا جو زنادقہ (ملحدوں) کے خلاف کام کرتا تھا جو

معاشرے کو بگاڑنے کی کوشش کرتے تھے۔

اس طرح حسبہ کا نظام بغداد، مصر، شام، مغرب اور اندلس تک پھیل گیا۔ فاطمی دور میں محتسب کے ماتحت "توّاب" ہوتے تھے جو بازاروں میں گھومتے، کھانے پکانے، گوشت اور وزن تولنے کی نگرانی کرتے اور پانی فروشوں کو صفائی کا پابند بناتے۔

اندلس میں محتسب کو "صاحب السوق" کہا جاتا تھا اور وہ بازار کے تمام معاملات کی نگرانی کرتا۔ مؤرخ المقرّی لکھتا ہے:

"یہ ذمہ داری اہل علم و فہم کے لیے مخصوص تھی، محتسب خود بازاروں میں گھوڑے پر سوار ہو کر جاتا، اس کے ساتھ اعوان ہوتے اور ان میں سے ایک کے ہاتھ میں ترازو ہوتا تاکہ روٹی وغیرہ کا وزن درست رہے۔"

مغرب میں یہ نظام طویل عرصے تک باقی رہا۔ المقری نے لکھا: "میں نے خود تطوان شہر میں محتسب کو دیکھا، جو بازار کے انتظام تک محدود تھا۔ بعد میں سرکاری محکموں نے یہ کام سنبھال لیا۔"

تمام اسلامی مصادر میں حسبہ کی تعریف ایک ہی مفہوم پر مبنی ہے۔ ابن خلدون اپنی "مقدمہ" میں لکھتے ہیں:

"الحسبۃ ایک دینی منصب ہے، جو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے تحت آتا ہے اور یہ منصب حاکمِ وقت پر فرض ہے کہ وہ کسی اہل شخص کو اس پر مقرر کرے۔ اس کے ذمہ لوگوں کو عام مفاد کی پابندی پر مجبور کرنا ہے، مثلاً راستوں میں رکاوٹ ڈالنے سے روکنا، حد سے زیادہ وزن لادنے سے منع کرنا، گرنے والی عمارتوں کو گرانا اور عوام کو ضرر سے بچانا۔"

یہ ہے اسلام میں حسبہ کا خلاصہ ہے جو ہم نے ابھی پیش کیا۔ اب دیکھتے ہیں کہ مستشرق گوستاف نے اپنی کتاب میں کیا کہا؟ اس نے حسبہ اور بازنطینی کتاب "والی المدینہ" کے درمیان موازنہ کیا اور روایتی مستشرقانہ انداز میں حسبہ کی اسلامی اصالت کو مشکوک بنانے کی کوشش کی۔ لیکن اس کا دعویٰ سراسر بے بنیاد ہے، کیوں کہ "والی المدینہ" دسویں صدی عیسوی میں لکھی گئی، جب کہ حسبہ کا **نظام قرآن و سنت سے ماخوذ** ہے اور خلفائے راشدین کے زمانے میں نافذ تھا، یعنی اس کتاب کے لکھے جانے سے دو صدی پہلے ہی یہ نظام رائج تھا۔

مزید یہ کہ "والی المدینہ" میں شاہی طبقے، جوہریوں، اور ریشمی کپڑے بیچنے والوں کے متعلق قوانین ہیں، جب کہ حسبہ کا نظام صرف یہیں تک محدود نہیں بلکہ تمام طبقات سے متعلق ہے۔ اسی طرح "والی المدینہ" میں غیر ملکیوں، یہودیوں اور غلاموں پر مخصوص پابندیوں کا بیان ہے، جب کہ حسبہ سب کو برابر سمجھتا ہے۔ یعنی اسلامی قانون سب کے لیے مساوی ہے۔

یہاں سے فرق بالکل واضح ہو جاتا ہے اور مستشرق گوستاف کا جھوٹ بے نقاب ہو جاتا ہے۔ البتہ یہ بات بالکل قرین قیاس ہے کہ "والی المدینہ" میں بیان کردہ بعض قوانین اسلامی حسبہ سے ہی ماخوذ ہوں، کیوں کہ انجیل تو ریاستی امور میں بالکل بھی مداخلت نہیں کرتی، جیسا کہ اُس کا اصول ہے:

"جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دو اور جو خدا کا ہے وہ خدا کو۔"

لہٰذا گمانِ غالب یہی ہے کہ بازنطینیوں نے اسلامی نظام سے استفادہ کیا ہوگا۔ اگرچہ یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ بعض قدیم اقوام جیسے یونانیوں (یونان) میں بھی بازاروں کی نگرانی کا نظام تھا، لیکن اسلامی حسبہ اور اُن کے نظام میں فرق بہت واضح ہے، یعنی ہمارا نظامِ حسبہ الوہی قوانین کے تابع ہے جب کہ یونانی حسبہ انسانی قوانین کا پابند ہے۔

گستاف نے ایک حالیہ کتاب "الحسبة المذهبية في بلاد المغرب العربي: نشأتها وتطورها "مصنفہ: موسیٰ لقبال کی بارے میں بھی گفتگو کی اور اس کو مندرجہ ذیل جملہ نقل کیا:

"یہ نظام بعد کے ادوار میں بھی باقی رہا، یہاں تک کہ جب مسلمان مشرق و مغرب کی اقوام تک پہنچے تو وہاں موجود اس قسم کے نظام کو برقرار رکھا، کیوں کہ وہ مفید تھا، اور پھر اس کو ترقی دے کر اسلامی شکل دی گئی۔"

اس جملے کو نقل کرنے کے بعد گوستاف نے لکھا:

"اس عبارت سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ مسلمانوں نے حسبہ کو اپنی الٰہی تعلیمات سے نہیں، بلکہ غیر مسلم اقوام سے اخذ کیا۔"

ہم گوستاف پر بدنیتی کا الزام نہیں لگاتے، کیوں کہ اس نے بعد میں لکھا ہے کہ "نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی پہلے شخص تھے جنھوں نے حسبہ کا عملی نظام قائم کیا۔"

بہتر ہوتا کہ وہ یوں کہتا: "مسلمانوں نے یونانی حسبہ کو اس لیے برقرار رکھا کیوں کہ انھوں نے پایا کہ یہ ان کے اپنے نظام سے ہم آہنگ ہے" اس طرح اس کی عبارت شک و تاویل سے پاک رہتی۔

یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ بعض اسلامی احکام بعض غیر اسلامی قوانین سے ظاہری مشابہت رکھتے ہوں، بشرطے کہ وہ ان سے ماخوذ نہ ہوں۔ یہ محض اس لیے ہے کہ بعض اصول فطری بدیہات پر مبنی ہیں۔ لیکن فرق یہ ہے کہ ہماری حسبہ ایک دینی فریضہ ہے جو انسانی معاشرے کی حقیقی خوش بختی کا ضامن ہے، کیوں کہ اسلامی نظام ہی وہ نظام ہے جو انسانی زندگی کو منظم کرتا ہے اور ہر شعبے کے لیے رہنمائی فراہم کرتا ہے، نہ کہ زندگی اسلام پر اپنی مرضی مسلط کرتی ہے۔

مراجع ومصادر:

- ڈاکٹر عبد الہادی الشال، "الإسلام والمجتمع الفاضل" سلسلۃ البحوث الاسلامیہ، صفحہ 241، ذوالحجہ 1392ھ۔
- الفیروزآبادی، القاموس، صفحہ 54-55۔
- صحیح مسلم، جلد 1، حدیث نمبر 102۔
- احمد سعید المجلیدی "التیسیر في أحكام التسعیر"، تحقیق: موسیٰ لقبال، صفحہ 42، مطبوعہ: الشركة الوطنية للنشر والتوزيع، الجزائر۔
- النفح (نفح الطیب)، جلد 1، صفحہ 218، تحقیق: ڈاکٹر احسان عباس، دار صادر، 1388ھ۔■■

(ص:19 کا بقیہ)... ہمارا وجود صرف اپنی ذات تک محدود نہیں بلکہ ہم ایک وسیع اور انٹر کنیکٹڈ معاشرے کا حصہ ہیں۔ ہماری ہر حرکت، ہماری ہر نگاہ، ہمارا ہر لفظ دوسروں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ایک مہذب معاشرہ تب ہی وجود میں آسکتا ہے جب اس کے افراد ذاتی نظم وضبط کا مظاہرہ کریں۔ یہ نظم وضبط صرف قوانین کی پابندی تک محدود نہیں بلکہ یہ ایک اندرونی احساس ہے جو ہمیں دوسروں کے لیے سہولتیں پیدا کرنے پر اکساتا ہے اور اجتماعی بھلائی کی طرف مائل کرتا ہے۔ یہی ایک پوشیدہ آئین ہے جو ہمارے اندر سرایت کر جانا چاہیے۔ ہمیں یہ سمجھنا ہوگا کہ ہمارے ایک چھوٹے سے عمل کا بھی دوسروں پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ ایک مسافر کا پھینکا ہوا چھلکا، ایک شخص کی اچھالی ہوئی پچکاری، ایک بے ترتیب پارک کی گئی گاڑی، سڑک پر بکھرا ہوا پلاسٹک کا کچرا یہ سب مل کر ہمارے شہروں کو بدنمائی کا روپ دیتے ہیں۔ یہ اعمال ہمیں احساس دلاتے ہیں کہ ہم ایک اجتماعی ملکیت کا حصہ ہیں۔ جس طرح ہم اپنے گھر کو صاف ستھرا رکھتے ہیں، اس کی دیکھ بھال کرتے ہیں، اسی طرح ہمیں اپنے راستوں اور بازاروں کو بھی صاف ستھرا رکھنا چاہیے اور ان کا احترام کرنا چاہیے۔ تہذیب کا تقاضا ہے کہ ہم راستے پر چلتے ہوئے دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کریں، نہ کہ مشکلات۔ ہمارے قدموں میں شائستگی ہو، ہماری نگاہوں میں حیا ہو اور ہماری زبان میں نرمی ہو۔ ہمیں اپنے بچوں کو بھی ان آداب کی تعلیم دینی چاہیے تاکہ وہ مستقبل کے مہذب شہری بن سکیں۔ راستوں میں چلنے کے آداب دراصل انسانیت کا احترام ہیں۔ یہ ہمیں سکھاتے ہیں کہ ہم صرف اپنی ذات کے لیے نہیں بلکہ دوسروں کے لیے بھی جی رہے ہیں۔ جب ہم ان آداب کو اپنائیں گے، تب ہی ہمارے بازار اور راستے حقیقی معنوں میں تہذیب کا گہوارہ بن سکیں گے۔ یہ محض ایک مضمون نہیں، ایک پکار ہے کہ ہم سب مل کر اپنے راستوں کو، اپنے بازاروں کو تہذیب کا آئینہ بنائیں، جہاں سے انسانیت کا عکس نمایاں ہو اور جہاں سے سیرت نبوی کی خوشبو مہکے۔

☆☆☆

حفظان صحت

خارش جلن اور بے چینی کی نہ ختم ہونے والی جنگ!

ڈاکٹر ام فرح (ایم ڈی ڈرمیٹولاجی)

فنگل انفیکشن کیا ہے؟

فنگل انفیکشن اس وقت ہوتا ہے جب ننھے ننھے جاندار جنھیں فنگس (Fungus) کہا جاتا ہے، ہماری جلد، ناخن یا جسم کے اندر بہت زیادہ بڑھنے لگتے ہیں۔

یہ عام طور پر * گرم، نم اور پسینے والے حصوں میں تیزی سے بڑھتے ہیں، جیسے پیر، بغل یا ران کے درمیان۔ یہ جان لیوا نہیں ہوتے، لیکن اگر نظر انداز کیے جائیں تو شدید خارش، جلن اور پریشانی کا سبب بن سکتے ہیں۔

فنگل انفیکشن کی اقسام اور علامات:

قسم	متاثرہ حصہ	علامات
رنگ ورم	بازو، ٹانگیں، جسم	سرخ گول دائرے جیسا دانہ، بیچ میں صاف جگہ
ایتھلیٹ فُٹ	انگلیوں کے درمیان	خارش، جلد کا اُترنا، جلن
فنگل نیل انفیکشن	ناخن	موٹے، پیلے، ٹوٹنے والے ناخن
کینڈیڈیاسس (Yeast Infection)	منہ یا پوشیدہ حصے	سفید دھبے، جلن یا خارش
ٹینیا کروریس (جاک اِچ)	ران یا اندرونی لباس کے نیچے	سرخ خارش (خاص طور پر مردوں میں)
ٹینیا کیپیٹس	سر کی جلد	خشکی والے دھبے، بال جھڑنا

فنگل انفیکشن کیسے پھیلتا ہے؟

یہ جراثیم بہت آسانی سے ایک انسان سے دوسرے تک پھیل سکتے ہیں، جیسے: * ننگے پیر عوامی جگہوں پر چلنا (پول، جم، باتھ روم) * تنگ، گندے یا پسینے والے کپڑے پہننا * کسی دوسرے کا تولیہ، موزے، جوتے یا کنگھی استعمال کرنا * نہانے کے بعد جسم کو صحیح سے نہ سکھانا * بار بار اینٹی بایوٹک یا سٹیرائڈ دوا لینا۔

بچاؤ کے آسان طریقے:

آپ کو مہنگی دواؤں کی ضرورت نہیں، روزمرہ کی معمولی احتیاط سے آپ بچ سکتے ہیں:

صاف اور خشک رہیں، روز نہائیں، خاص طور پر گرمی میں یا پسینہ آنے کے بعد، جسم کو اچھی طرح خشک کریں، خاص طور پر * پیر، بغل اور ران کے بیچ، صاف کپڑے پہنیں۔ روز موزے، اندرونی کپڑے تبدیل کریں، ڈھیلے اور سوتی کپڑے پہنیں۔ گرمیوں میں تنگ جینز یا مصنوعی کپڑوں سے پرہیز کریں۔

پیروں کو ہوا لگنے دیں، جوتے کھلے اور سانس لینے والے ہوں، عوامی جگہوں پر ننگے پیر نہ چلیں۔ ذاتی چیزیں کسی سے شیئر نہ کریں جیسے تولیہ، جوتے، انڈرویئر، کنگھی، صرف اپنے ہی استعمال کی ہوں۔ گرمیوں میں اینٹی فنگل پاؤڈر استعمال کریں۔ اگر آپ کو زیادہ پسینہ آتا ہے تو موزوں اور کپڑوں میں پاؤڈر لگائیں، کپڑے گرم پانی میں دھوئیں۔ تولیے، موزے، چادریں، ان میں چھپے جراثیم گرم پانی سے ختم ہو جاتے ہیں۔ صحت مند خوراک کھائیں۔ اچھی خوراک سے قوت مدافعت مضبوط ہوتی ہے، پھل، سبزیاں، دہی، پانی کا زیادہ استعمال کریں۔

ڈاکٹر سے کب رجوع کریں؟

اگر: خارش یا انفیکشن * 7–10 دن بعد بھی نہ جائے * بار بار واپس آئے * دوسرے حصوں میں پھیلنے لگے * پیپ، درد یا بخار ہو تو فوراً ماہر امراض جلد (Dermatologist) سے رجوع کریں۔ وہ مناسب دوا یا کریم دے سکتے ہیں۔ ▫▫

چراغ خانہ

بیٹی کا ایمان نسلوں کی پہچان

سلمیٰ شاہین امجدی

الحمدللہ! اللہ رب العزت کا بے پایاں شکر اور کرم ہے کہ اس نے ہمیں ایسے دین میں پیدا فرمایا جن میں عورت کو بہترین مقام دیا گیا ہے، عورت کو پاکیزگی کے لیے عزت سے نوازا گیا ہے، اور اس کے بدلے عورت پر کچھ ذمہ داریاں بھی عطا فرمائی گئی ہیں۔ مگر کتنے افسوس کی بات ہے کہ آج بالکل الٹا ہو رہا ہے۔ خواتینِ اسلام نہایت خطرناک مرحلوں سے گزر رہی ہیں، جنھیں ایک عظیم فتنہ کہا جا سکتا ہے اور اس فتنے کے گہرے جال میں ہماری بہنیں اور بیٹیاں پھنس چکی ہیں۔ وہ جال جس میں پھنس کر انھوں نے خود کو برباد کر لیا ہے اور جس کے نتیجے میں اسلام کی مضبوط لکیر کو کمزور کر رہی ہیں۔

بات یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ لوگ اس فتنے کو فیشن کا نام دینے لگے ہیں۔ لیکن اگر ایمان کی آنکھ سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ عورت کے ایمان، حیاء اور عفت سے جڑا ہوا معاملہ ہے، جس کی وجہ سے ایک وسیع بحران جنم لے رہا ہے۔ اس لیے آج ہمیں یہ سمجھنا ہوگا کہ صرف جان لینا کافی نہیں، بلکہ مستقل طور پر خود کو بدلنا ہوگا تاکہ آنے والی نسلوں تک بھی ایمان کی روشنی پہنچ سکے۔

قرآن ہمیں یاد دلاتا ہے: فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانۡتَشِرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَابۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِ اللّٰہِ وَاذۡکُرُوا اللّٰہَ کَثِیۡرًا لَّعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ۝ (الجمعہ: 10)

پھر جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو بہت یاد کرو اس امید پر کہ فلاح پاؤ۔

ذرا سوچو! وہ بیٹیاں جو ہمارے اسلاف کے دور میں عید کا چاند دیکھ کر دوپٹہ اوڑھ کر ماں باپ کے ساتھ سجدے میں گر کر اللہ رب العزت سے اپنے روزے کی قبولیت کی دعائیں مانگا کرتی تھیں، آج وہی بیٹیاں چاند رات غیر مردوں سے چوڑیاں پہننے میں مصروف ہیں۔ کیا آج کی عورتیں ہنسی مذاق یا فیشن کے بھنور میں الجھی ہوئی نہیں ہیں؟ آج والدین کو سمجھنا ہوگا کہ اپنی بیٹیوں کو ظاہری چمک دمک کے پیچھے لگا کر زندگی برباد نہ کرنے دیں، بلکہ انھیں دین اسلام کے لیے سنواریں۔ یہ دنیا محض لالچی ہے، اور اس کے لالچ میں پڑ کر ایمان چھن جائے تو پہچان بھی مٹ جاتی ہے۔ اپنی عزت کی قیمت ہرگز نہ لگائیں، کیوں کہ یہ دنیا جس آزادی کا نام لے رہی ہے دراصل وہ آزادی نہیں بلکہ نفس کی غلامی ہے، اور شیطان کے جال میں پھنسانے کا ایک فریب ہے۔

یاد رکھو! تربیت کے نام پر جب والدین غفلت برتتے ہیں تو گویا شیطان کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیتے ہیں۔ اپنی بیٹیوں کو بتائیں کہ یہ سارے منصوبے دشمنانِ اسلام کے ہیں جو ہماری نسلوں کو کمزور کر رہے ہیں۔ بیٹی کو جب آپ ہاتھ میں فون دیں، تو ساتھ یہ بھی بتائیں کہ میڈیا ایک تیز دھار ہتھیار ہے جسے احتیاط سے استعمال کرنا ہوگا، ورنہ یہ تباہی پھیلا دے گا اور گھر سے ایمان کی روشنی چھین لے گا۔ والدین کو چاہیے کہ اپنی تمام تر توجہ دنیاوی منزلوں کی بجائے دینی میدانوں پر مرکوز کریں۔ مساجد سے رشتہ مضبوط کریں تاکہ ان کے بچے گمراہیوں سے بچ سکیں۔ گھر میں ماں کا کردار سب سے زیادہ عظیم ہے، ماں کو

بنت نعیم اللہ سابق ناظم اعلیٰ مدرسہ ناشر العلوم ابراہیم پور، اعظم گڑھ

روایات واحادیث میں جنت کہا گیا ہے، اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ماں اپنے بچوں کے لیے پہلی درس گاہ ہے۔ اگر ماں دین دار اور نمازی ہے تو بیٹا بھی حکم خدا پر عمل کرنے والا ہوگا۔ لیکن اگر ماں محض ڈگری اور دنیاوی چمک دمک پر نظر رکھے گی تو پھر نتیجہ افسوس ناک ہی نکلے گا۔

وہی ماں اگر اپنی بیٹی کو حیا، پردہ اور نماز کی اہمیت سکھائے تو وہ بیٹی گھر کی عزت کی محافظہ بن کر رہنا سیکھے گی۔ اور اگر وہی ماں اپنے بیٹے کو محنت، غیرت اور حلال روزی کی قدر بتائے تو وہ بیٹا گھر کی عورتوں کی عزت کا نگہبان بنے گا۔ یوں عورت کی عزت و آبرو محفوظ رہے گی۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ آج بیشتر خواتینِ اسلام نے دوسرا راستہ اختیار کر لیا ہے۔ وہ راستہ جس پر چل کر کہنا پڑتا ہے کہ آخر یہ کون سا راستہ ہے؟ آج کی عورتیں کس روشنی کے پیچھے جا رہی ہیں؟ وہ روشنی جو دراصل ایمان کو جلا رہی ہے۔ اس روشنی کا جرم اتنا گہرا ہے کہ ایمان چھین کر کفر کے اندھیروں میں دھکیل رہی ہے۔

سوچو! وہ بیٹیاں جو ماں باپ کی دعاؤں کی چھاؤں میں پلتی تھیں، آج فتنوں کے قدموں تلے کچلی جا رہی ہیں۔ وہ بیٹیاں جو کبھی عید کا چاند دیکھ کر سجدہ شکر ادا کرتی تھیں، آج آزادی کے نام پر دوپٹے کو بوجھ سمجھتی ہیں۔ کیا قوم کے جاگنے کا وقت ابھی نہیں آیا؟ آج جب لڑکیاں ایمان ترک کر کے غیر مسلم لڑکوں سے شادیاں کرتی ہیں تو والدین کا کیا حشر ہوتا ہے!! غور کرنے کا مقام ہے

آج علم کے نام پر لبرلزم کو اپنایا جا رہا ہے۔ داڑھی والے استاد کو طنز کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ میری بہنوں! یہ سب کچھ اتفاق نہیں ہے، بلکہ ایک گہری سازش ہے۔ یہ سازش ہمارے ذہنوں، زبانوں اور کرداروں کو غلام بنا رہی ہے۔ یہ دراصل نفس کی غلامی ہے جس کے ذریعے دشمن اسلام ہماری روح کو کمزور کر رہے ہیں۔

کاش! آج ایمان کا سودا کرنے والی بیٹیاں سمجھ جائیں کہ ایمان کی حقیقت کیا ہے۔ محرم کے دن کربلا کا منظر یاد کرو۔ ذرا علی اصغر کی لاش یاد کرو، عباس کے کٹے بازوؤں کو یاد کرو۔ زینب کی غیرت کو یاد کرو کہ عورت کو غیرت بچانے کا ہنر اسلاف کرام سے ملا ہے۔ اپنے دامن میں لکھ لو کہ دینِ اسلام ہی حقیقی دین اور اسی دین پر عمل کرنے والوں کے لیے دارین میں حقیقی فلاح و ظفر ہے۔

افسوس! آج کی عورتیں ایمان پر فخر کرنے کی بجائے ارتداد کو فخر سمجھنے لگی ہیں۔ یاد رکھو! یہ خوش نصیبی نہیں بلکہ بدنصیبی ہے۔ کیوں کہ جب ایک بیٹی ایمان جیسی نعمت کو چھوڑ دیتی ہے تو اس کا ہر بچہ اسلام سے دور ہو جاتا ہے۔ اور جب یہ بیٹیاں مرتد ہوتی ہیں تو ان کی آئندہ نسلیں کفر ترک کر کے پرورش پاتی ہیں۔

میری قوم کی بیٹیو! آج ہی سے عہد کریں کہ ایمان کو ہر چیز پر ترجیح دیں گے۔ چاہے تعلیم ہو یا رشتہ، سب سے پہلے ترجیح دین اسلام ہوگا۔ اپنی سوچ کو جگائیں گے، اپنی غفلت کو ختم کریں گے۔ اپنے بچوں کو فطرت کی اصل اہمیت بتائیں گے۔ سوشل میڈیا کا استعمال اسلام کے دائرے میں رہتے ہوئے صرف خبر کے کاموں کے لیے کریں گے۔ اگر ایسا نہیں کیا تو جان لو کہ یہی آلہ ایمان کو نگل جائے گا۔ نکاح کے اندر لین دین کے غلط رسم و رواج کو ختم کرنے کی کوشش کریں گے تاکہ بڑے نقصانات سے محفوظ رہ سکیں۔

اپنے گھروں میں صحابیات اور صحابہ کرام کے واقعات کو زندہ کریں گے۔ اپنی بیٹیوں کو زینب کا کردار سنائیں گے، اپنے بیٹے کو علی کی غیرت سکھائیں گے۔ کیوں کہ یہی وہ راستہ ہے جہاں سے عورت کی عزت بھی بچتی ہے اور ایمان بھی محفوظ رہتا ہے۔

دعا ہے کہ مولا تعالیٰ ہماری بیٹیوں کو ایمان پر ثابت قدمی عطا فرما، ہمارے گھروں میں تقویٰ کی روشنی پھیلا دے، اور ہمیں دین کی راہ پر استقامت بخش۔ آمین یا رب العالمین!

☆☆☆

فکر و نظر

حافظ ملت علیہ الرحمہ
کے امتیازات

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم اربابِ قلم اور علماے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ از: **مبارک حسین مصباحی**

* دسمبر 2025 کا عنوان — فقہ اسلامی اور دستور ہند کا تقابلی جائزہ
* جنوری 2026 کا عنوان — عصرِ حاضر میں امن اور محبت کی ضرورت

حافظ ملت علیہ الرحمہ کے تبلیغی امتیازات

از: حافظ افتخار احمد قادری برکاتی

جلالۃ العلم استاذ العلما حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدثِ مرادآبادی علیہ الرحمہ نے ایک ایسے دور میں آنکھیں کھولیں جب دنیا کا سب سے عظیم مذہب، واحد دین الٰہی، دین فطرت، مذہب اسلام سب سے مظلوم مذہب بنا دیا گیا تھا اور دنیا کی سب سے عظیم قوم، قوم مسلم جس نے حق و صداقت کا پرچم بلند کیا، زمانے کو علم و ہنر سکھائے، جہانگیری و جہانبانی کے آداب بتائے، اپنی عظمت کردار، اخلاق عالیہ اور مومنانہ فراست و بصیرت سے اس دنیا کو امن و آشتی کا گہوارہ بنایا، شرافت و انسانیت اور تہذیب کی روشنی پھیلائی، وہی قوم مسلم مسلسل شکستوں اور پیہم ہزیمتوں سے عاجز آکر حالات کے رحم و کرم پر ٹک کر رہ گئی تھی۔ مسلمانوں کے سیاسی زوال نے نہ صرف یہ کہ اس قوم سے قوت عمل چھین لی بلکہ مذہب اسلام نے جو اسے عزم و حوصلہ اور احساس برتری دی تھی وہ پست ہمتی اور احساس کمتری میں تبدیل ہو چکی تھی۔ انہیں حالات میں برصغیر ہند و پاک میں کچھ مصلحین اٹھے مگر چوں کہ وہ خود فریب خوردۂ حالات تھے اس لیے بجائے اسلام کی طرف دعوت دینے کے مغربیت کی طرف دعوت دینے لگے۔ ان مصلحین اور ریفارمرس کی تمام تر جد و جہد اور مساعی کا مقصد مسلمانوں کو اسلام سے دور کر کے مغرب کی چوکھٹ پر سجدہ ریزی کے لیے تیار کرنا تھا۔ مسلمان اپنے دین اور علم و عمل سے دور، دنیا طلبی، عیاشی و فحاشی، خرافات و خرابات، بدعات و منکرات اور بھانت بھانت کی برائیوں، آپسی رسہ کشی، مقدمہ بازی، تجارت سے بے رغبتی، نا اتفاقی وغیرہ کا شکار تھا۔ حضور حافظ علیہ الرحمہ کی مومنانہ بصیرت نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ قوم و ملت کو سب سے زیادہ نقصان تعلیم و تربیت کی راہ سے پہنچایا جا رہا ہے، اب باطل کے حملوں کا زاویہ تبدیل ہو گیا ہے، اب شمشیر بکف مجاہدین سے زیادہ قوم کو ضرورت ہے ایسے بیدار مغز اور پختہ کار علما دانشوران اور مصلحین کی جو اسلام کی نظریاتی سرحدوں کا تحفظ کر سکیں۔ اس لیے کہ باطل

کریم گنج، پورن پور، پیلی بھیت یوپی iftikharahmadquadri@gmail.com

اب زیور فکر وفن سے آراستہ ہوکر نظریات اسلامی کی سرحدوں پر تاخت و تاراج کے لیے بڑھ رہا ہے۔ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے ایک ایسا عظیم اصلاحی منصوبہ بنایا کہ اسلامی نظریات پر حملہ خواہ سوشلزم اور کمیونزم کی جانب سے ہو خواہ الحاد و بے دینی کی سمت سے ہو خواہ مادہ پرستوں کی طرف سے ہو خواہ مغربی تہذیب کی طرف سے ہو، حملہ داخلی ہو یا خارجی ہر محاذ پر باطل سے نبرد آزمائی کرکے نظریات اسلامی کا نہ صرف تحفظ کیا جائے بلکہ غلبۂ اسلام کا رنگ عام کیا جائے۔ یہی سبب تھا کہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم کو پورے عالم اسلام کی ایک مثالی درس گاہ بنانے کے لیے اپنی پوری زندگی وقف فرمادی۔ لیکن !ایسا نہیں کہ صرف الجامعۃ الاشرفیہ ہی کے توسط سے حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے اصلاح معاشرہ کا فریضہ انجام دیا ہو بلکہ آپ نے تعلیم و تربیت، پند و نصائح، وعظ تقریر، تصنیف و تالیف اور بیعت و ارشاد وغیرہ کے ذریعہ بھی اصلاح معاشرہ کا عظیم کارنامہ انجام دیا اور زمانہ پر آپ کے مصلحانہ کردار کی عظمت آشکارا ہوگئی۔

امت مسلمہ عام طور سے دین سے دوری اور بے راہ روی میں مبتلا تھی۔ ایسے عالم میں اصلاح معاشرہ کا فریضہ سخت دشوار مسئلہ تھا۔ دراصل فرد واحد کی بیماری کا علاج بڑا آسان ہوتا ہے جب کہ معاشرہ و سماج میں سلامت روی، اصلاح حال، اصلاح باطن، فلاح آخرت اور مقاصدِ حیات کی طرف گامزن ہونے کی لگن پائی جاتی ہو، کیوں کہ ماحول خود اس کو صحیح راستے پر چلنے کے لیے مجبور کر دیتا ہے لیکن اگر قوموں اور جماعتوں میں اخلاقی گراوٹ، طبیعت کی گندگی، بغض وعناد، حسد وکینہ پروری، بے حیائی، بے شرمی کذب و افترا، افتراق واختلاف جیسے صفات ذمیمہ وبائے عام کی شکل اختیار کرلیں تو ان کی اصلاح وتدارک میں بڑی دماغ سوزی و جگر کاوی کی ضرورت پڑتی ہے۔ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ طبیب روحانی اور معالج خصائل تھے۔ وہ ملت مسلمہ کی اخلاقی پستی، اس کی بیماریوں اور مفسدات سے بخوبی واقف تھے۔ اس لیے آپ کی تحریر و تقریر اور مجلسی گفتگو میں وقت اور حالات و ضرورت کے لحاظ سے تعمیر اخلاق پر پورا پورا زور ملتا ہے۔ آپ مسلم معاشرہ کو اس کی بیماریوں سے الگ کر کے اس میں صحت بخش عادات و اطوار کا رواج چاہتے تھے۔ کذب، کینہ، بغض، حسد، غیبت، چغلی، بدظنی، عیب جوئی اور ان جیسی سیکڑوں مہلک عادتیں ہیں جو مسلمانوں کو اندر سے کھوکھلا کر رہی ہیں ان عیوب کے ہوتے ہوئے کوئی شخص نہ عبادتوں کی چاشنی حاصل کر پاتا ہے اور نہ اسے ایمانی حلاوتوں سے آشنائی ہو پاتی ہے بلکہ اس کی ساری مثبت توانائیاں ضائع ہوتی چلی جاتی ہیں۔ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ مسلمانوں کے معاشرہ سے ایسی تمام برائیوں کا قلع قمع کر کے ان میں صدق بیانی، محنت، جفاکشی، بہادری، شجاعت و دلیری، حسن ظن، عدل ومساوات، باہمی تعاون اور ہمدردی کے جوہر پیدا کرنا چاہتے تھے۔

اوصاف ذمیمہ اپنے اندر ایسے جراثیم رکھتے ہیں جو اس کی راست مساعی کے برکات کو ضائع کر دیتے ہیں یہ وہ بیماریاں ہیں جن کا علاج اطبا اور ڈاکٹروں کے بس کی بات نہیں بلکہ اخلاق حسنہ کی تعلیم کے لیے رب کائنات نے انبیا و مرسلین علیہم الصلوات والتسلیمات کو مبعوث فرمایا اور انسانی معاشرہ کی اصلاح باطن میں فلاح آخرت کا شعور پیدا کرنے، سلامت روی سکھانے اور صالح مقاصد حیات کے زینے طے کرانے کے لیے رب کریم کی جانب سے معصوم جماعت انبیا و مرسلین کا سلسلہ ابتدائے انسانیت سے دور اخیر تک قائم کر رہا حتی کہ حضور اقدس ﷺ اس اہم فریضہ کے مہتم بن کر مبعوث ہوئے اور اب رہتی دنیا تک حضور اقدس ﷺ کے سچے نائبین اس ذمہ داری کو کما حقہ ادا کرتے رہیں گے۔

دور حاضر میں ہم جن عیبوں کا شکار ہیں ان میں پستی اخلاق، بغض وعناد، حسد وکینہ، کذب وافترا، اختلاف وافتراق، بے حیائی و بے شرمی ہیں۔ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے

زندگی بھر ان برائیوں کے خلاف زبان وقلم نیز اپنی عملی زندگی سے جہاد کیا۔ وہ اپنے دل نشیں اور من موہنے انداز میں نہایت سادہ و پر اثر الفاظ کا سہارا لے کر لوگوں کے قلوب میں اخلاق عالیہ کی عظمت، بزرگی اور فوائد کے نقوش بھی مرتسم کرتے تھے اور چھوٹی چھوٹی مثالوں، عام فہم جملوں اور حکمت موعظت سے بری عادات کی قباحتوں اور مہلکات سے نفرت بھی دلاتے تھے۔

معاشرہ کی شیرازہ بندی کے ماتحت آپ فرماتے ہیں: اسلامی اصول کے ماتحت ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ مسلمانوں کو دوسرے مسلمانوں سے دلی ہمدردی، امداد و اعانت اور اس کی پردہ پوشی مسلمان کا فریضہ ہے۔ اگر مسلمان اس کے عامل ہوجائیں تو ان کی ساری مصیبتیں ختم ہو جائیں۔ تمام تر پراگندگی کا خاتمہ ہوجائے اور اتفاق واتحاد سے قوم مسلم کی شیرازہ بندی ہوکر وہ طاقت پیدا ہوجائے کہ قوم مسلم کی عظمت رفتہ واپس آجائے۔ (معارف حدیث:۸۵)

اتفاق واتحاد: مسلمانوں کے باہمی اختلاف ونزاع اور ان کی نااتفاقی سے حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ سخت کبیدہ خاطر رہتے تھے۔ اس کا اندازہ آپ کے اس حکیمانہ قول سے کیا جاسکتا ہے کہ **"اتفاق زندگی ہے اور اختلاف موت ہے۔"** بات دراصل یہ ہے کہ جب تک جسم کے ساتھ روح کا تعلق قائم رہتا ہے یا یوں کہیے کہ روح اور بدن میں اتفاق رہتا ہے آدمی زندہ رہتا ہے اور جب یہ تعلق ختم ہو جاتا ہے، ساتھ چھوٹ جاتا ہے، جسم وروح الگ الگ ہوجاتے ہیں اور دونوں میں اختلاف ہو جاتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ آدمی مر گیا۔ پس کیا یہ حقیقت نہ ہوئی کہ جسم و روح کا اتفاق زندگی ہے اور اختلاف موت ہے۔ اسی طرح دنیا کی ہر چیز میں اتفاق زندگی ہے اور اختلاف موت ہے۔ جس گھر کے سب افراد باہم متحد ہوں تو وہ گھر زندہ ہے۔ اگر ایک محلہ کے لوگ باہم اتحاد واتفاق سے رہ رہے ہیں تو وہ محلہ زندہ ہے اور اگر اختلاف ہو کہ یہ اس کی پگڑی اچھال رہا ہے وہ اس کی ٹانگ گھسیٹ رہا ہے تو یہ اختلاف ہی اس محلہ کی موت ہے۔ یہی حال شہر کا اور ملک کا ہے اور قوم وملت کا ہے۔ وہ قوم زندہ قوم ہے جس کے افراد میں باہم ہمدردی، غمگساری اور اتحاد آرا کا خیال ہے اور وہ قوم زندہ رہ کر مردوں سے بدتر ہے جس کے افراد میں خود غرضی، نفس پرستی اور دوسرے بھائی کی ترقی دیکھ کر بغض و حسد کی آگ میں جلنا پایا جائے۔ (حافظ ملت نمبر:۱۴۷تا۱۴۸)

غیبت سے باز آؤ: غیبت کی مذمت میں حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

اس زمانے میں چغلی غیبت مسلمانوں میں عام ہوگئی ہے۔ یہ مرض اس درجہ ترقی کر گیا ہے گویا وبائی صورت اختیار کر گیا ہے۔ عام طور پر مسلمان اس مرض میں مبتلا ہیں۔ چغلی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے آدمی نہ بچ سکے، اس بری لت کو نہ چھوڑ سکے۔ چغلی ہے تو بہت معمولی سی چیز مگر اس کے اثرات بڑے ہی زہریلے اور تباہ کن ہیں۔ چغل خوری دنیا میں بے عزت کرتی ہے، بے اعتبار بناتی ہے، اس سے اپنے غیر ہو جاتے ہیں، چغلی عذاب قبر کا سبب ہے، عذاب آخرت کا موجب ہے۔ اسی لیے شریعت مطہرہ نے اسے حرام کیا ہے، قرآن مجید کا ارشاد ہے:

"أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ" (الحجرات:۱۲)

تم میں کا کوئی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے۔ اگر ایسا نہیں تو چغلی کو برا جانو اور اس سے بچو۔

معلوم ہوا جس طرح اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا حرام ہے چغلی بھی حرام ہے۔ مسلمانوں کو چغلی سے نفرت لازم ہے۔ (معارف حدیث:۴۴۳)

عیب جوئی اور حسد سے بچو: حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے قلم سے بدظنی، عیب جوئی اور بغض و حسد کے مفسدات، ان کی برائیوں اور مہلکات کے بارے میں نہایت حکیمانہ اور پر زور بیان ملاحظہ فرمائیے۔ فرماتے ہیں: حسد، غیبت

اور چغلی یہ وہ امراض ہیں جن کے مریض ہمیشہ حیران و پریشان اور سرگرداں رہتے ہیں اور ذلیل و خوار ہوا کرتے ہیں۔ اللہ کے حبیب محمد رسول ﷺ نے مسلمانوں کو تعلیم دی ہے کہ وہ ان برائیوں سے دور رہیں اور ان بری عادتوں سے بچیں اور آپس میں متفق و متحد رہ کر اخوت اسلامی کے تحت زندگی گزاریں۔ بدظنی کے نتائج بڑے خطرناک ہوتے ہیں۔ جب کسی سے بدظنی ہوتی ہے تو اس کی اچھی بات بھی بری معلوم ہوتی ہے۔ اچھا فعل بھی برا معلوم ہوتا ہے۔ اس کی طرف سے دل میں ہر وقت ایک خلش رہتی ہے۔ خواہ مخواہ خوف وہراس رہتا ہے کہ وہ کہیں کوئی خلاف کارروائی نہ کرے، کوئی نقصان نہ پہنچا دے، حالانکہ نفس الامر میں کوئی بات نہیں، یہ سب اسی کے سینہ کی کدورت، اس کے قلب کی ظلمت و تاریکی کا اندھیرا ہے۔ اگر بدظنی نہ ہوتی اس کا سینہ صاف ہوتا تو ہرگز ایسا نہ ہوتا۔ اس سے خود اس کو تکلیف ہوتی ہے اور بلاوجہ تکلیف اس نے خود اپنی بدظنی کی وجہ سے اپنے خیال میں سب کچھ سمجھ رکھا ہے۔ خیالی عمارت تعمیر کی ہے اور واقعہ کچھ نہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس بدظنی کے تحت اس سے ایسی حرکتیں صادر ہوتی ہیں جو اس شخص کی بدظنی اور عداوت کا سبب بن جاتی ہیں۔ بالآخر دونوں میں پوری عداوت ہو جاتی ہے اور ایک دوسرے کا دشمن ہو جاتا ہے۔ اگر بدظنی نہ ہوتی تو نوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔ اس لیے حضور اقدس ﷺ نے بدظنی سے ڈرایا اور بچایا ارشاد فرمایا۔ مسلمانو! بدظنی سے دور رہو یہ بڑی خطرناک ہے، بڑی بری بات ہے، دل میں جو باتیں پیدا ہوتی ہیں ان میں مسلمانوں سے بدظنی بہت ہی بری بات ہے۔ اس کو دل سے دور کر دو ورنہ خود تمھیں تکلیف اٹھانی پڑے گی، انجام یہ ہوگا کہ تمھارے دوست دشمن ہو جائیں گے، تمھاری زندگی تلخ ہو جائے گی۔ اسی طرح مسلمانوں کی عیب جوئی، مسلمانوں کی برائی تلاش کرنا، یہ بھی بڑا عیب ہے، بے ضرورت کسی مسلمان کے عیب تلاش کرنا لاحاصل ہی نہیں بلکہ سخت مضر ہے۔ جب اس کا اظہار ہوتا ہے تو عیب جو بہت ذلیل ہوتا ہے اور جس کی عیب جوئی کرتا ہے وہ اس کا دشمن ہو جاتا ہے، اس کے دل سے اس کی وقعت نکل جاتی ہے۔ وہ بھی اس کی تذلیل و تحقیر کے لیے تیار ہو جاتا ہے جس کے نتائج دونوں کے لیے مضر ہو جاتے ہیں۔ اس لیے حضور اقدس ﷺ نے مسلمانوں کو اس برائی سے روکا اور منع فرمایا کہ مسلمانو! مسلمانوں کے عیب نہ تلاش کرو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو تمھارے ہی لیے سخت مضر ہوگا۔ جس کا انجام تمھاری عزت ریزی ہے۔ تمھارے دوست دشمن بن جائیں گے، آپس میں نفاق پیدا ہوگا۔ تمھاری طاقت ختم ہو جائے گی۔ لہٰذا! اس برائی سے باز آؤ اور مسلمانوں کی عیب جوئی نہ کرو۔ البتہ اگر بغیر تلاش کے کسی کے عیب پر مطلع ہو جاؤ تو سلامت روی کے ساتھ اس کی فہمائش کرو یہ اسلامی ہمدردی ہے۔ (معارف حدیث: ۱۰۳، ۱۰۵)

حسن سلوک: حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ خود حسن اخلاق کے پیکر تھے۔ آپ اپنے پڑوسیوں اور اہل محلہ پر تو خصوصی توجہ دیتے ہی تھے۔ اپنے تلامذہ، مریدین اور غربا پر حد درجہ مہربان تھے، کرم فرماتے تھے ہر مسلمان کے ساتھ نیکی اور بھلائی کا برتاو کرتے تھے۔ فرماتے تھے:

مذہب اسلام ہر بھلائی کا ضامن اور ہر چیز کا جامع ہے۔ بھلائی خواہ ظاہری ہو یا باطنی، دنیوی ہو یا اخروی، اسلام نے ساری بھلائیوں کا احاطہ کر لیا ہے۔ (معارف حدیث:100)

محارم و معصیت سے اجتناب: حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ حدیث مصطفوی کے حوالہ سے فرماتے ہیں: اصل مقصود عبادت میں محارم و معصیت سے بچنا ہے اگرچہ احکام و فرائض خداوندی پر عمل اشد ضروری ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص محرمات و مکروہات سے پرہیز کرتا ہے اگرچہ عبادات نافلہ، صدقات، خیرات وغیرہ میں مبالغہ نہیں کرتا وہ اس شخص سے افضل ہے جو باوجود ادائے فرائض کے عبادات نافلہ میں تو بڑا غلو کرتا ہے مگر معاصی سے بچنے کی فکر کم کرتا ہے۔ لہٰذا! معلوم ہوا کہ عابد کو پہلے محارم سے بچنا ضروری ہے۔ معصیت سے تائب

ہوکر عبادت الٰہی میں مصروف ہو تو نور عبادت حاصل ہوگا اور یہ عابد بہترین عابد ہوگا، مقبول بارگاہ ہوگا۔ صراط مستقیم کی یہی تعلیم ہے۔ (معارف حدیث:66)

مزید ارشاد فرماتے ہیں: حضور اقدس ﷺ کی حدیث پاک کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان خداے تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچیں، عبادت الٰہی میں مصروف رہیں۔ تقدیر الٰہی پر راضی رہیں، صبر و قناعت اپنا شیوہ بنائیں، پڑوسیوں کے ساتھ احسان کریں، دوسرے مسلمانوں کی بھلائی کے خواہاں رہیں، لغو گوئی، فضول ہنسی مذاق سے پرہیز کریں، قلب کو خوف الٰہی کا نشیمن بنائیں، ذکر الٰہی سے قلب کو منور کریں۔ (معارف حدیث:64)

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ حقیقی معنوں میں مصلح امت تھے، ان کی اصلاح اور تربیت کا طریقہ فطری تھا۔ وہ جبری اصلاح پر اسے فائق جانتے تھے۔ طلبہ کی عزت نفس کا انھیں بے حد خیال تھا اور تعلیم و تربیت کے دور میں وہ انھیں اسلاف کرام کے طریق پر اخلاق سے سجاتے اور سنوارتے تھے۔ ان کی شیریں گفتار، محبت اور پیار بھرا انداز اور خلوص دیکھ کر علماء طلبہ اور عوام بھی اثر قبول کرتے تھے۔ وہ کسی کی دل شکنی کرنا تو جانتے ہی نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ لوگ ان سے اپنے مزاج کے مطابق کوئی بات کہلوانا یا کوئی کام کروانا چاہتے مگر حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کو ایسے لوگوں کا بھی دل دکھانا گوارہ نہیں تھا اس لیے صاف انکار نہ فرماتے البتہ حکمت عملی سے انہیں ٹال دیا کرتے تھے۔ مسجد میں کسی کی اصلاح مقصود ہوتی تو نماز کے بعد عام لوگوں کو مخاطب بنا کر اس بات کا ذکر کرتے غلطی جس کی ہوتی وہ سمجھ لیتا اس طرح دوسروں کی معلومات میں اضافہ ہوتا اور وہ شخص شرمندگی سے بھی بچ جاتا۔ کبھی کسی کو تنبیہ کرنی ہوتی تو تنہائی میں بلاکر خبردار کرتے۔ البتہ طلبہ کی بری عادتوں کا سخت نوٹس لیتے۔ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ طلبہ کو علم اور اخلاق میں بلند تر دیکھنا چاہتے تھے۔ ■■■

حافظ ملت علیہ الرحمہ کے تدریسی امتیازات

از: مفتی محمد اعظم مصباحی مبارک پوری

جلالۃ العلم ابوالفیض حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کو رب قدیر نے بہت سی خوبیوں اور کمالات سے سرفراز فرمایا تھا، آپ کی شخصیت ہمہ جہت تھی، آپ کی زندگی کا جس جہت سے بھی مطالعہ کیا جائے آپ کی شخصیت بہر حال آئیڈیل اور مثالی نظر آتی ہے۔ زہد و ورع، خشیت ربانی، عشق مصطفوی، خلوص و للّٰہیت، صبر و تحمل، ایثار و قربانی، حسن اخلاق و معاملات، پاکیزہ کردار، بڑوں سے محبت، چھوٹوں پر شفقت، ایفاے عہد، سادگی و قناعت، تواضع و انکساری، کفایت شعاری حزم و احتیاط وغیرہ مومنانہ زندگی کے عناصر آپ کی ذات میں بدرجۂ اتم موجود تھے۔ ان صفات کے جامع ہونے کے ساتھ ساتھ جامع معقول و منقول تھے، آپ کی بارگاہ فیض سے بہت سے تشنگان علوم نے اپنی علمی پیاس بجھائی۔ آپ کی درس گاہ علم و فضل سے بے شمار ایسے علما اور دانشوران پیدا ہوئے کہ جس سمت گئے انھوں نے اپنے علم و فضل کے سکے بٹھا دیے۔ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے جامعہ اشرفیہ کی صورت میں علم و آگہی اور عشق و عرفان کا جو چشمۂ شیریں جاری فرمایا، ان شاء اللہ رہتی دنیا تک اہل دنیا اس سے فیضیاب ہوتے رہیں گے۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ ایک ماہر اور شفیق استاذ و معلم تھے، ایک ماہر معلم کے لیے علم میں گہرائی و گیرائی، حاضر جوابی، ذہانت، قوت استدلال، احساس ذمہ داری، طلبہ پر شفقت، علوم و فنون کی جامعیت پابندیِ اوقات وغیرہ صفات ضروری اور لازمی ہوا کرتی ہیں۔ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کا طریقۂ تدریس یہ تھا کہ

استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

درس شروع کرنے سے پہلے متعلقہ درس کی عبارت خوانی کسی طالب علم سے کراتے اور اس میں نحوی صرفی غلطیوں کی اصلاح فرماتے، عبارت خوانی کے بعد اس درس سے متعلق نہایت عالمانہ فاضلانہ مختصر اور جامع تقریر فرماتے جس سے مصنف کی مراد بآسانی سمجھ میں آجاتی اور طلبہ کے اکثر شکوک و شبہات زائل ہوجاتے۔ اگر کوئی طالب علم سوال کرتا تو اس سے ناراض ہونے کی بجائے شفقت کے ساتھ جواب دیتے، عبارت خوانی میں نحوی صرفی غلطیوں کی اصلاح کے ساتھ ساتھ آپ تلفظ کی ادائیگی کی بھی اصلاح فرماتے۔ حضرت مولانا امام الدین مصباحی لکھتے ہیں:

"راقم الحروف اپنے ہم سبق ہم راہیوں کے ساتھ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے پاس بخاری شریف کی عبارت پڑھ رہا تھا اور حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ اپنی عادت کریمہ کے مطابق سر جھکائے ہوئے عبارت سماعت فرمارہے تھے، درمیان عبارت ایک مقام پر حافظ ملت علیہ الرحمہ نے ٹوکا اور پوچھا کہ کیا پڑھا، میں نے چند سطر ماقبل سے عبارت دوبارہ پڑھنی شروع کی، اپنی معلومات کے تحت میں نے اعرابی کوئی غلطی نہیں کی تھی اور مجھے اعراب کی صحت پر مکمل اطمینان تھا اس لیے میں نے پہلے کی طرح عبارت پڑھی، حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے اس مقام پر دوبارہ ٹوکا، تو میں نے اعراب کی صحت کی وضاحت کرنی چاہی تو بڑے ہی پروقار اور رعب دار انداز میں حروف کے تلفظ کی درستگی کی طرف متوجہ فرمایا، میرے ذہن کے سارے کل پرزے حرکت میں آگئے اور قلب کو بے پناہ خوشی و مسرت حاصل ہوئی اور اس کے بعد حروف کے تلفظ کو درست کرکے عبارت پڑھنی شروع کی، جب کہ آٹھ نو سال کی مدت کے اندر کبھی بھی، کسی مدرس نے درسی کتابوں کی عبارت خوانی کی طرف خاص توجہ نہیں فرمائی اور نہ ہی تلفظ کی غلطی پر کبھی گرفت فرمائی، اور عموماً مدارس کے اندر ہوتا بھی ایسا ہی ہے، الا ماشاء اللہ، لیکن حضور معمار قوم وملت علیہ الرحمہ کی خصوصی تعلیم و تربیت کا انداز ہی نرالا تھا، آپ کی نگاہ فیض رساں ہر طرح کی غلطیوں کی درستگی کی طرف متوجہ رہا کرتی تھی، صرف عبارت خوانی ہی پر بس نہیں بلکہ ہر معاملے کی صحت و درستی کے لیے کچھ اسی طرح کا پیارا پر اثر انداز تربیت ہوا کرتا تھا، آپ ذرا اندازہ لگائیے کہ صرف ایک مرتبہ حروف کے تلفظ کی صحت کی طرف ذہن متوجہ فرمایا تو اس کا یہ اثر رہا کہ ہمیشہ کے لیے درسی و غیر درسی تمام کتابوں کے حروف کے صحیح تلفظ کی طرف ذہن متوجہ رہنے لگا اور بفضلہ تبارک و تعالیٰ یہ بہترین ثمرہ بھی ہاتھ آیا کہ مقدس کتابوں کے پڑھنے کے وقت تلفظ کی صحت کا خاص خیال رہنے لگا جس کی وجہ سے حتی المقدور عدم صحت تلفظ کے تمام گناہوں سے محفوظ و مامون ہو گیا، اتنا زمانہ گزرنے کے بعد بھی آج تک حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کا وہ انداز تربیت ذہن و دماغ میں گردش کر رہا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ابھی چند دن کی بات ہو۔" (جہان حافظ ملت، ص:۹۹)

حضور حافظ ملت کی کتاب کی عبارت کا سلیس واضح اور شستہ ترجمہ فرماتے، آپ کے درس میں علمی نکات، اسلامی عقائد، معمولات اہل سنت، مخالفین کا رد ابطال اور طلبہ کی تربیت کا عنصر و غالب رہتا تھا۔ حضرت علامہ محمد احمد مصباحی ناظمِ تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارک لکھتے ہیں:

"ان کے درس میں اصلاح و تربیت کا عنصر کارفرما ہوتا اور علمی نکات کے ساتھ عمل کے جذبات بھی طلبہ میں منتقل کرتے، فکری اور اعتقادی رسوخ اور پختگی بھی ان کا مطمح نظر ہوتا، اسلام کی صداقت اہل سنت کی حقانیت، منکرین اسلام کی بے ثباتی اور گمراہ فرقوں کا بطلان بڑے موثر مدلل اور واشگاف طور پر بیان فرماتے۔"

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ طلبہ کو تضییع اوقات سے بچنے کی تلقین فرماتے، ان کی خواہش رہتی کی طلبہ مطالعہ میں منہمک رہا کریں اور فضولیات و لغویات سے بچتے ہوئے اپنے اکثر اوقات کو کتب بینی میں صرف کریں، کیوں کہ جس نے اپنے ایام طالب علمی کو مطالعہ اور کتب بینی میں مصروف نہیں رکھا اسے علم کی گہرائی حاصل نہیں ہوسکی۔ ایک مرتبہ آپ نے طلبہ کے درمیان اس موضوع پر ایک خطاب فرمایا جو طلبہ کی صلاحیت سازی کے لیے ایک بہترین قابل تقلید درس ہے۔

حضرت علامہ عبدالمبین نعمانی لکھتے ہیں:

”آپ نے یہ خطاب 9 مئی 1976، مطابق 8 جمادی الاولی 1396ھ بروز یک شنبہ الجامعۃ الاشرفیہ کے شاہ ہال میں فرمایا۔ خطبہ کے بعد ارشاد فرمایا:

وقت بہت قیمتی چیز ہے، گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں، وقت کا ضائع کرنا بہت بڑی بے وقوفی ہے اور خاص کر تعلیم کے اوقات کو تو بالکل ضائع نہیں کرنا چاہیے اس لیے کہ یہ سب سے قیمتی اوقات ہوتے ہیں۔ تعلیم کے سلسلے میں طلبہ کو تین دور سے گزرنا پڑتا ہے، پہلا درجہ مطالعہ کا ہے کہ کتاب پہلے خود سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ دوسرا یہ کہ استاذ جو سمجھا جائے اس کو غور سے سنا اور سمجھا جائے اور جو سمجھ میں نہ آئے دیانت کا تقاضا ہے کہ اس کو استاذ سے پوچھا جائے، نہ سمجھنے کی صورت میں خاموش رہنا بڑی بد دیانتی ہے۔ تیسرا درجہ ہے تکرار کا، اس سے تدریس کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے اور پڑھانے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔

اب جو طالب علم ان تینوں دور سے گذر کر تعلیم حاصل کرے گا۔ وہ یقیناً باصلاحیت ذی استعداد اور قابل ہوگا اور جس نے اس کو نہیں اپنایا وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

بعض طلبہ سمجھتے ہیں کہ طالب علمی کا دور آزادی کا دور ہے اس میں جتنا چاہو کھیل کود لو، حالاں کہ یہ زمانہ انتہائی پابندی کا زمانہ ہے اس وقت جس چیز کی پابندی کی عادت پڑ جائے گی وہ ہمیشہ باقی رہے گی، لہٰذا اس وقت طلبہ کو نہایت پابندی کے ساتھ اپنے اوقات کو کام میں لانا چاہیے تاکہ جب آپ یہاں سے فارغ ہو کر نکلیں تو ہر جگہ کامیاب ہوں اور آپ کا قول ہی نہیں آپ کا فعل و کردار بھی ہدایت کا کام کرے، لوگ آپ کے کردار کو نمونہ بنائیں اور اس سے ہدایت حاصل کریں اور یہ اسی وقت ہوگا جب آپ پہلے یہاں ہر چیز میں پابندی کی عادت ڈال لیں گے، پڑھنے کے اوقات میں پڑھنے میں پورے انہماک کا ثبوت دیں گے اور اس کی پوری پابندی کریں گے، نماز میں جماعت کی پابندی کریں گے اور حقیقت میں نماز تو جماعت ہی کی نماز ہے ورنہ صرف فرض کی ادائیگی ہے۔“ (حیات حافظ ملت، ص:98،99)

جو طلبہ پہلے سے درسی کتاب کی تیاری کر کے درس گاہ میں استاد کی تقریر سنتے ہیں تو ان کے ذہنوں میں بسا اوقات خلجان و اشکال پیدا ہوتا ہے وہ اپنے اساتذہ سے اپنے خلجان پیش کرتے ہیں تو بعض اساتذہ ناراض ہو جاتے ہیں اور سوال پوچھنے والے طالب علم کی حرکت ان کو ناگوار گزرتی ہے، عموماً اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ یا تو بغیر مطالعہ درس گاہ میں طلبہ کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں یا گہرائی سے مطالعہ نہ کر کے سرسری مطالعہ سے درس گاہ میں بیٹھ جاتے ہیں، لیکن حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ اشکالات و سوالات پیش کرنے والے طلبہ سے بہت خوش ہوتے، نہایت سنجیدگی کے ساتھ طلبہ کے اعتراضات سنتے، پھر اس کا عالمانہ جواب عنایت فرماتے جس سے مصنف کی کتاب پر وارد ہونے والے اعتراضات کا تصفیہ ہو جاتا۔

علامہ یاسین اختر مصباحی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

”ان کے اس طریقہ تدریس نے طلبہ کو مطالعہ کا پابند بنا دیا تھا اور بہت کم طلبہ ان کی مجلس درس میں بغیر مطالعہ کے شریک ہوتے تھے۔ حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ الرحمہ ان طلبہ کی حوصلہ افزائی کرتے تھے جو اپنے مطالعہ کی روشنی میں ان سے سوالات کرتے تھے، حضرت کی پوری تدریسی زندگی میں ایک بھی مثال ایسی نہیں دی جا سکتی کہ آپ نے، سوال کو نظر انداز فرما دیا ہو یا سائل طالب علم پر برہمی کا اظہار فرمایا ہو۔

اس کے برعکس جب کوئی طالب علم سوال کرتا تھا تو آپ کے چہرے پر بے پایاں مسرت کے آثار صاف نمایاں ہوتے تھے اور ایسے جملے ارشاد فرماتے تھے جن سے بے زبان طالب علم کو زبان مل جائے اور اس کی خوابیدہ ذہنی صلاحیتیں بیدار ہو جائیں۔ کبھی کبھی ارشاد فرمایا کرتے تھے: سوالات ذہن بیدار کی علامت ہیں۔“

مزید تحریر فرماتے ہیں:

اپنے طلبہ کے بارے میں حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ کی ہمیشہ یہ خواہش ہوتی تھی کہ طلبہ حصول تعلیم کے ساتھ تبلیغ

واشاعت دین کے نشیب وفراز کو بھی سمجھیں اور زمانہ طالب علمی ہی میں ان کے اندر حالات کا مقابلہ کرنے کی استعداد پیدا ہو جائے۔(جہان حافظ ملت،ص:80)

ہر مدرس چاہتا ہے کہ اس کے سامنے پڑھنے والا طالب علم باصلاحیت ہو، باذوق ہو، تاکہ ان کے درمیان اس کا درس آسانی کے ساتھ مکمل ہو جایا کرے، اکثر اساتذہ کم استعداد والے طلبہ سے الجھن محسوس کرتے ہیں، انھیں طرح طرح سے طعن وتشنیع کا نشانہ بناتے ہیں، ان کو ذلیل کرنے میں کسر نہیں چھوڑتے، ان کو حوصلہ دینے کی بجاے حوصلہ شکنی سے کام لیتے ہیں، لیکن حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ غبی سے غبی اور بدھو سے بدھو شاگردوں کو بھی نہایت شفقت و محبت سے پڑھاتے، ان کا حوصلہ بڑھاتے، ان کی شخصیت سازی میں انتھک کوشش کرتے، اپنے تلامذہ کی صلاحیتوں کو نکھارنے اور ان کی لیاقتوں کو بروئے کار لانے میں ہر ممکن صورت اختیار فرماتے، یہی وجہ ہے کہ حضور حافظ ملت کا ہر شاگرد آفتاب کا ماہتاب بن کر اکناف عالم کو اپنے علوم وفیض سے منور کر رہا ہے۔

حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

”استاد شاگرد کا تعلق عام طور پر حلقۂ درس تک محدود ہوتا ہے، لیکن اپنے تلامذہ کے ساتھ حافظ ملت کے تعلقات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ پوری درسگاہ اس کے ایک گوشے میں سما جائے یہ انھی کے قلب ونظر کی ناپیدا کنار وسعت اور ان ہی کے جگر کا بے پایاں حوصلہ تھا کہ اپنے حلقۂ درس میں داخل ہونے والے طالب علم کی بے شمار ذمہ داریاں اپنے سر لیتے تھے، طالب علم درس گاہ میں بیٹھے تو کتاب پڑھائیں، باہر رہے تو اخلاق وکردار کی نگرانی کریں، مجلس خاص میں شریک ہو تو ایک عالم دین کے محاسن و اوصاف سے روشناس فرمائیں، بیمار پڑ جائے تو نقوش وتعویذات سے اس کا علاج کریں، تنگ دستی کا شکار ہو جائے تو مالی کفالت فرمائیں، پڑھ کر فارغ ہو جائے تو ملازمت دلوائیں اور ملازمت کے دوران کوئی مشکل پیش آئے تو اس کی بھی عقدہ کشائی فرمائیں، طالب علم کی نجی زندگی شادی بیاہ، دکھ سکھ سے لے کر خاندان تک کے مسائل میں دخیل و کار فرما، طالب علم زیر درس رہے یا فارغ ہو کر باہر چلا جائے ایک شفیق باپ کی طرح ہر حال میں سرپرست اور کفیل اس طرح کی ہمہ گیر اور ہمہ وقتی شفقت ایک باپ سے تو ضرور متوقع ہے لیکن آج کی دنیا میں ایک استاد سے ہرگز متوقع نہیں ہے، یہی ہے وہ جوہر منفرد جس نے حافظ ملت کو اپنے اقران و معاصرین کے درمیان ایک معمار زندگی کی حیثیت سے ممتاز اور نمایاں کر دیا ہے۔“

(حافظ ملت نمبر، ص:174)

حضور حافظ اللہ علیہ الرحمہ صرف استاذ محض نہ تھے بلکہ وہ ایک ماہر معلم ہونے کے ساتھ ساتھ اچھے مربی بھی تھے اپنے تلامذہ کو علمی دقائق سے روشناس کرانے کے ساتھ وہ ان کی تربیت فرماتے دوران درس اخلاق اور شریعت و سنت مصطفوی کا بھی بیان فرماتے اور طلبہ کو ان سے آراستہ ہونے کی تاکید فرماتے، آپ کی شخصیت تربیت کے حوالے سے اپنے معاصرین میں ممتاز نظر آتی ہے۔

علامہ ارشد القادری مزید لکھتے ہیں:

”حافظ ملت کی زندگی کا سب سے نمایاں جوہر اپنے تلامذہ کی پر سوز تربیت اور ان کی شخصیتوں کی تعمیر ہے، اپنے اس وصف خاص میں وہ اتنے منفرد ہیں کہ دور دور تک کوئی ان کا شریک وسہیم نظر نہیں آتا شخصیت سازی کے فن میں کوئی مستقل کتاب اب تک میری نظر سے نہیں گزری لیکن اپنی معلومات وتجربات کی حد تک کہہ سکتا ہوں کہ وہ اس فن کے امام تھے۔“(حافظ ملت نمبر، ص:172)

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی شخصیت کا مطالعہ بحیثیت مدرس کرنے سے یہ بات بخوبی طور پر عیاں ہوتی ہے کہ آپ نے بڑی تن دہی، دل جمعی، جگر سوزی اور خلوص وللّٰہیت کے ساتھ طلبہ کی تعلیم و تربیت فرمائی جس کی برکت سے آپ کے در سے اکتساب فیض کرنے والے ہر میدان میں اپنی قیادت وسربراہی کا لوہا منوا رہے ہیں۔ ہر استاد کے لیے ضروری ہے کہ حضور حافظ ملت کے اسلوب تدریس اور طریقہ تربیت سے خود کو بہرہ ور کرنے کی کوشش کرے تاکہ وہ ایک مثالی استاد بن کر اپنے طلبہ کے درمیان علم وفضل کے موتی لٹا سکے۔ ■■

انوار حیات آخری قسط

الذکر المختصر فی القطب المزدھر

حضور قطب المدار علیہ الرحمہ کے احوال وآثار کا گراں قدر دستاویزی مجموعہ

مولانا طفیل احمد مصباحی

زیرِ تبصرہ کتاب میں آپ کے جن نامور خلفائے عظام کے اسمائے گرامی مرقوم ہیں، وہ حسبِ ذیل ہیں:

▫ السيد محمد أرغون ▫السيد أبو تراب فنصور ▫السيد أبو الحسن طيفور ▫الشيخ السيد أجمل البهرائچی ▫الشيخ أحمد بن مسروق الخراسانی ▫الشيخ ظهير الدين الدمشقی ▫الشيخ زاهد السجستانی الرومی ▫الشيخ يوسف أوتاد البخاری ▫السيد المخدوم أشرف جهانگير السمنانی ▫الشيخ مسعود سالار الغازی ▫ الشيخ جلال الدين الملقب بـ " شاه دانا" البريلوی ▫الشيخ حسين بن معز البلخي الفردوسي ▫الشيخ بدهن السنديلوی ▫الشيخ دانيال السامرائی ▫الشيخ أكرم مرتاض المصری ▫السيد محمد باسط المكی ▫الشاه فضل الله البدخشی ▫الشيخ عبد النعيم السالك النيسافوری ▫الشيخ عباس المصری ▫الشيخ محمود التستری ▫لشيخ ذون النون البيهقی ▫ الشيخ جهانياں جهاں كشت البخاری ▫السيد جمال الدين البغدادی البهری ▫السيد أحمد باديه پا البغدادی الهندی ▫السيد جمال الدين الحسينی ▫ الشيخ حسام الدين الإصفهانی الهندی ▫الشيخ القاضی محمود الكنتوری ▫ الشيخ المطهر قله شير الكانفوری ▫العالم الكبير شهاب الدين الدولت آبادی الجونفوری -

مصنف نے بابِ دوم کی فصلِ ثانی کو" الفصل الثانی فی بیان من حصل علیٰ طریقته "کے عنوان سے معنون کیا ہے اور اس ضمن میں ان اکابر علما و مشائخ کا تذکرہ کیا ہے جو سلسلۂ مداریہ سے منسلک تھے اور ان کو اس مبارک سلسلے کی خلافت حاصل تھی۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ مصنف نے سلسلہ مداریہ سے وابستہ ان بزرگوں کے محض نام ذکر کرنے پر اکتفا نہیں کیا ہے، بلکہ ان کا مختصر تعارف بھی لکھا ہے۔ اس وقت اگر کوئی سلسلہ سب سے زیادہ مظلوم ہے تو وہ "سلسلہ مداریہ" ہے۔ حالاں کہ ماضی میں یہ سلسلہ بڑا مقبول اور ہمہ گیر رہا ہے اور اکابر علما و مشائخ اس کے دامنِ کرم سے وابستہ رہے ہیں۔ حضرت شیخ وجیہ الدین اشرف علوی گجراتی، حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور علامہ سید مرتضیٰ زبیدی بلگرامی جیسی عبقری شخصیتوں نے سلسلہ مداریہ سے اکتسابِ فیض کیا ہے۔ پوری کتاب میں یہ فصل سب سے زیادہ مفید اور معلومات افزا ہے اور مصنف کی تحقیقی ذوق کا غماز ہے۔ مصنف نے اس بحث کے ضمن میں ۲۶/اکابر علما و مشائخ کا تعارف پیش کیا ہے۔ تفصیل کے لیے کتاب کی جانب رجوع کریں۔

بابِ دوم کی تیسری فصل میں حضور قطب المدار علیہ الرحمہ کے معاصر صوفیا و مشائخ کا ذکر ہے، جس میں خصوصیت کے ساتھ غوث الاعظم، سلطان الاولیاء سرکار سیدنا محی الدین

سابق نائب مدیر ماہ نامہ اشرفیہ

عبد القادر جیلانی، خواجۂ خواجگاں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، غوث العالم حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی، بانیِ سلسلہ شطاریہ حضرت شیخ عبد اللہ شطار اور موسسِ بلگرام حضرت عماد الدین بلگرامی علیہم الرحمہ کے اسمائے گرامی مندرج ہیں۔ یہ بحث بھی بڑی دلچسپ اور لائقِ مطالعہ ہے۔ مصنف نے قوی دلائل کی روشنی میں حضور غوث پاک اور حضور قطب المدار قدس سرہما کے درمیان ملاقات ثابت کی ہے اور اس سلسلے میں شیخ محمد بن احمد القانی کی" الكواكب الدراريۃ فی تنو یر المناقب المدار ية "کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضور قطب المدار علیہ الرحمہ نے پانچویں صدی ہجری میں بغداد شریف کا سفر کیا اور حضور سیدنا غوث پاک رضی اللہ عنہ کے فضائل و کمالات اور دینی و ملی خدمات کو ملاحظہ فرمایا۔ جب دوسری بار آپ نے سرکار غوث پاک سے ملاقات کی تو حضور غوث پاک نے اپنے دو بھانجے محمد (سید جمال الدین) اور احمد (سید احمد الدین) آپ کے سپرد کیے، تاکہ وہ ہندوستان میں دینِ متین کی خدمت انجام دے سکیں۔ جیساکہ مصنف کی مندرجہ ذیل عبارت سے ظاہر ہے:

سافر إلى بغداد في القرن الخامس الهجرى متنقلا من البادية إلى الحاضرة في طريقه إليه لاقى الشيخ السيد عبد القادر الجيلاني قدس سره ، كما ذكر الشيخ الجاني محمد بن أحمد القاني الإمام العروس القادري – رحمه الله تعالى – في كتابه " الكواكب الدرارية في تنوير المناقب المدارية " عما وقع بينهما :

و قد بلغنا أن سيدنا و مولانا قطب الاقطاب و غوث الأحباب السيد عبد القادر الجيلي – رضي الله عنه وأرضاه عنا ـ لاقاه القطب زندا شاه المدار – رضي الله عنه – و صاحبه وخالّه أياما ، فرآه كأنه صار على الناس إماما ، و بالخلافة المحمدية قواما ، و في إحياء دينه مقداما و هماما ، إلا أنه مغلوب عليه بأسماء الله الجلالية و المطلوب غلبة أسمائه الجمالية . فضلا عن ذلك كان عرج في منصرفه على بغداد" مرة ثانيۃ و لاقاه في هذه المرة أيضا ، قد وقع جمع من الأسرار بينهما و سلم السيد الجيلاني ابني أخته محمد و أحمد إلى السيد الحلبي خلال هذا اللقاء ليتسانداه في تبليغ الإسلام في الهند ، حتى صب عليهما كل ما كان لديه من علم و عرفان ، قد أسلفنا الذكر عنهما .

(الذکر المختصر فی القطب المزدھر، ص:199،200)

حضور قطب المدار اور حضور خواجہ غریب نواز علیہما الرحمہ کے درمیان ملاقات اور ان دونوں بزرگوں کے مابین تعظیم و توقیر کا حال مصنف نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

لما ألقى السيد زنده شاه مدار الحلبي عصا الرحيل بـ أجمير الشريفة في أواخر القرن السادس الهجري و ارتاض و جاهد في الجبل الذي يقوله الناس " الجبل المداري " في العصر الراهن جرى اللقاء و الحوار بينهما بالتبجيل و التعظيم في غضون هذه الأيام ، كما يتناول المحقق السيد أمير حسن الفنصوري :

در اجمیر رسیدند و بر کوکلا پہاڑی فرمودند، حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ برای ملاقات والاتشریف آوردند و در ہر دو بزرگواران باہم کمال اتحاد راہ یافت.

(مرجعِ سابق، ص:201،202)

غوث العالم، تارک السلطنت حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ کو حضور قطب المدار علیہ الرحمہ سے نہ

صرف خلافت حاصل تھی، بلکہ ایک طویل سفر میں آپ کو ان کی رفاقت بھی حاصل رہی ہے، جس کا تذکرہ اکثر مصنفین نے کیا ہے۔ مصنف نے ان دونوں بزرگوں کے باہمی تعلقات و مراسم بیان کرنے کے علاوہ حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی کی تہ علمی و روحانی شخصیت کا تعارف بڑے حسین پیرائے میں پیش کیا ہے جو کچھ اس طرح ہے:

السيد مخدوم أشرف جهانكير السمناني قدس سره كان علما من أعلام هذه الأمة مع توقير شعائر الله و الخلق الرفيع والأدب الجم و كثرة التعبد و الذكر ، فهو البدر الساطع في سماء العلوم إذا اشتدت دياجيرها ، و هو الكنز الثمين إذا عزت الكنوز و جهلت مقاديرها ، و هو العلم الخفاق إذا طويت العلوم و خفيت تباشيرها ، و هو العلم الحبر المتضلع من علوم الشريعة و الطريقة على نمط الأقدمين، والإمام التقي الورع السالك إلى الله تعالى على قدم التمكين و لم يبرح يرتحل بالشيخ قطب المدار الحلبي نحوا من اثنتي عشرة سنة على رواية " منتخب العجائب في إظهار أسرار الغرائب" و استفاد منه المواهب الفذة و الفضائل الكثيرة من أن يعدها كاتب حتى فارقا على ميناء روماء .

(مرجع سابق، ص:205)

بابِ دوم کی چوتھی فصل میں " اذکارِ مداریہ و صلواتِ مداریہ " پر روشنی ڈالی گئی ہے جو اوراد و وظائف سے دلچسپی رکھنے والوں کے کسی نعمتِ مترقبہ سے کم نہیں۔ اس فصل کے مضامین یہ ہیں: حصارِ مداریہ بشیخ، دعائے بشیخ، اختتامِ دعا بشیخ، دعائے خضری، دعائے محمودی، دعائے سیفی، ذکرِ مداری، صلوٰۃ مداری صغیر، صلوٰۃ مداری کبیر، قصیدہ مداریہ، موالید مبارکہ، مدیح الامام الحلبی قطب المدار قدس سرہ، القطعۃ التاریخیۃ، مدیح الشیخ الکامل بدیع الدین مدار۔ کتاب کے آخر میں ان نادر و نایاب مخطوطات کے عکس دیے گئے ہیں جو سرکار سیدنا قطب المدار علیہ کے احوال و آثار کے حوالے سے مستند ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دو درجن کے قریب ان نادر مخطوطات کے عکوس سے فاضل مصنف کی محنتِ شاقہ اور ان کی تحقیقی کارگذاریوں کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس میں دو رائے نہیں کہ حضرت علامہ مفتی محمد ہاشم علی بدیعی مصباحی دام ظلہ العالی دورِ حاضر کے ایک ممتاز عالمِ دین، باصلاحیت مفتی، جفاکش محقق، اسلامی اسکالر، ادیبِ لبیب اور سلسلہ مداریہ پر گہری نظر رکھنے والے مایۂ ناز فاضل ہے۔ "تذکرہ مشائخ مداریہ" کے بعد زیرِ نظر کتاب " الذکر المختصر فی القطب المزدھر " عربی زبان میں لکھ کر آپ نے ایک عظیم الشان تحقیقی کارنامہ انجام دیا ہے، جس کے لیے موصوف بجا طور پر تعریف و تحسین اور حوصلہ افزائی کے مستحق ہیں۔ کتاب کی سب سے بڑی ادبی خصوصیت یہ ہے کہ اس سے عجمیت کی بو نہیں آتی۔ حسنِ زبان، لطفِ بیان اور تراکیب و تعبیرات کی عمدگی کتاب کی سطر سطر سے نمایاں ہے، جو مصنف کی عربی دانی پر دال ہے۔ یہاں اس حقیقت کا اعتراف بھی ضروری ہے کہ اس کتاب کی تصحیح و تنقیح اور نوکِ پلک درست کرنے میں محققِ نیپال، مخزنِ علم و روحانیت حضرت علامہ مفتی محمد رضا قادری مصباحی نقشبندی دام ظلہ العالی (استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور) نے عظیم خدمت انجام دی ہے۔ حضرت مفتی صاحب قبلہ فارسی، اردو اور انگریزی کے علاوہ عربی زبان و ادب پر گہری نظر رکھتے ہیں اور مادری زبان کی طرح عربی بولتے ہیں۔ اللہ رب العزت مصنف اور مصحح دونوں کو جزائے خیر سے نوازے اور زیادہ سے زیادہ دینی و علمی و تحقیقی خدمات انجام دینے کی توفیق ارزاں فرمائے آمین!۔ ■

نقد و نظر

جہانِ حافظ ملت (۲)

اہلِ سنت وجماعت کی علمی وروحانی روایت کا زندہ استعارہ

تبصرہ نگار: مہتاب پیامی

جہانِ حافظ ملت (جلد اول و دوم) کے مرتب حضرت مولانا اختر حسین فیضی مصباحی استاذ الجامعۃ الاشرفیہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، ہم نے جہانِ حافظ ملت جلد اول کے تبصرے میں حضرت کی شخصیت اور ان کی دینی وعلمی خدمات کا ایک مختصر خاکہ پیش کیا تھا، سردست ہم آپ کی شخصیت پر کچھ لکھنے کی بجائے سیدھے مقصدِ تحریر کی طرف آتے ہیں۔

اس وقت ہمارے سامنے جہانِ حافظ ملت کی دوسری جلد موجود ہے۔ 680 صفحات پر مشتمل یہ گراں قدر ضخیم مجموعہ حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کی حیات و خدمات کے ان گوشوں کا احاطہ کرتا ہے جو جلد اول میں نہ آسکے تھے۔

اس میں نظریۂ تعلیم، اسلوبِ تعلیم و تربیت، سیاسی افکار، تصوف و روحانیت، قلمی اثاثے، مکتوبات، تاثرات علما و مشائخ، تعزیت نامے وغیرہ عناوین کے تحت، دانش وران اور علماے اہل سنت کے بیش قیمت مضامین کو یکجا کیا گیا ہے۔

حافظِ ملت علامہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی کا نظریۂ تعلیم دراصل ایک جامع اسلامی تصور ہے جس میں دینی روح، اخلاقی تربیت اور عصری شعور کا حسین امتزاج نظر آتا ہے ہے۔ ان کے نزدیک تعلیم کا مقصد محض معلومات کا حصول نہیں بلکہ انسان کی فکری، روحانی اور عملی تشکیل ہے، وہ اس تعلیم کو پسند کرتے تھے جو انسان کے اندر ایمان کی روشنی، کردار کی پختگی اور خدمتِ خلق کا جذبہ پیدا کرے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر علم کے ساتھ تزکیۂ نفس نہ ہو تو وہ علم نہیں بلکہ وبالِ علم ہے۔ اسی لیے انھوں نے تعلیم کے ساتھ تربیت کو لازم قرار دیا۔ ان کے نزدیک استاد محض معلّم نہیں بلکہ مربی اور داعی ہے، اور شاگرد کا ہدف صرف امتحان پاس کرنا نہیں بلکہ اپنی زندگی کو مقصدِ الٰہی کے تابع کرنا ہے۔

الجامعۃ الاشرفیہ، جو ان کی علمی و روحانی بصیرت کا مظہر ہے، ان کے اسی نظریۂ تعلیم کی عملی تعبیر ہے—جہاں درسِ نظامی کے ساتھ عقائد، فقہ، حدیث، منطق اور تفسیر کی گہرائی پر زور دیا جاتا ہے، اور ساتھ ہی جدید زمانے کے تقاضوں کو اسلامی اقدار کے دائرے میں سمجھنے اور برتنے کی تربیت بھی دی جاتی ہے۔ حافظ ملت علیہ الرحمہ کا مطمحِ نظر بالکل واضح ہے کہ دین و دنیا الگ نہیں، بلکہ علم کی اصل روح ان دونوں کو ایک مقصد میں جوڑنا ہے، ان کا نظریۂ تعلیم یہی تھا کہ انسان کا دل نورِ علم سے منور ہو کر سماج، معاشرے اور دین کے لیے کارآمد ثابت ہو اور خشیتِ الٰہی کے ساتھ امن، اخلاق اور شعور وفکر کی ایک نئی دنیا آباد ہو سکے۔

حافظ ملت کے نظریۂ تعلیم پر گفتگو کرتے ہوئے علماے کرام نے جن خصوصیات کا اظہار فرمایا ہے ہم ان باتوں کو اختصار کے ساتھ درج کیا۔ اس باب کے تحت جو مضامین شاملِ اشاعت ہیں ان کی فہرست حسب ذیل ہے:

- فروغ تعلیم حیاتِ حافظ ملت کا درخشاں باب- مفتی محمد

9235647041 payamee@gmail.com

شریف الحق امجدی

- حافظ ملت کا افادی نظریۂ تعلیم - مولانا عبداللہ خان عزیزی مصباحی
- حافظ ملت تعلیمی ماحول میں - مولانا محمد احمد مصباحی
- حافظ ملت اور ان کا نظریۂ تعلیم - مولانا محمد عبدالمبین نعمانی
- حافظ ملت اور تعلیمی حسنِ انتظام - مولانا محمد علی قاضی مصباحی
- حافظ ملت اور مفید طریقۂ تعلیم - مفتی محمد معراج القادری مصباحی
- حافظ ملت کا نظریۂ تعلیم - حکیم محمد یوسف عزیزی

"نظریۂ تعلیم کے بعد" مرتب نے "اسلوب تعلیم و تربیت" کے عنوان سے دوسرا باب قائم کیا ہے۔ اس باب میں بھی قاری کی معلومات میں اضافی کرنے اور حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے منہجِ تعلیم و تربیت کی توضیح کرنے والے مضامین شامل ہیں۔ فہرست حسب ذیل ہے:

- حافظ ملت کا انداز تدریس - مفتی محمد شریف الحق امجدی
- حافظ ملت کا طریقۂ درس - مولانا محمد اسلم عزیزی مصباحی
- حافظ ملت کا شخصیت ساز اسلوب تعلیم و تربیت - مولانا یٰسین اختر مصباحی
- حافظ ملت کا معلمانہ و مصلحانہ کردا - ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی
- حافظ ملت کا انداز تربیت - مولانا علاء المصطفیٰ قاری
- حافظ ملت کی موثر تربیت اور فیضانِ نظر - مولانا محمد امام الدین نوری مصباحی
- حافظ ملت اور دورِ حاضر کے مصلحین و مبلغین - مفتی بدر عالم مصباحی
- حافظ ملت کا انداز تبلیغ - مولانا محمد علی فاروقی

جہانِ حافظ ملت کا تیسرا باب "سیاسی افکار" کے عنوان سے پیش کیا گیا ہے۔ اس باب کے تحت صرف تین مضامین پیش کیے گئے ہیں۔

چوتھے باب میں "تصوف و روحانیت" پر گفتگو کی گئی ہے۔ اس میں کل 8 مضامین شامل ہیں، فہرست ملاحظہ فرمائیں:

- حافظ ملت کا تقویٰ - مولانا غلام محمد مصباحی بھیروی
- حافظ ملت ایک ولی باکرامت اور زاہد بے ریا - مولانا سید رکن الدین اصدق مصباحی
- حافظ ملت ایک درویش کامل - مولانا محمد قمر الحسن قمر بستوی مصباحی
- حافظ ملت مقبول بارگاہ رسول - مفتی عبد المنان کلیمی مصباحی
- حافظ ملت کا تصور عشق رسول - ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی
- حافظ ملت اور تصوف - مولانا مبارک حسین مصباحی
- حافظ ملت ایک تقویٰ شعار شخصیت - مولانا ایاز احمد مصباحی
- حافظ ملت کی تقویٰ شعر زندگی - مفتی عابد حسین مصباحی

اس باب کے تحت حافظ ملت علیہ الرحمہ کی متصوفانہ حیات کی جن خصوصیات و امتیازات کا احاطہ کیا گیا ہے، ان باتوں کو اگر ہم اپنے الفاظ میں پیش کریں تو کچھ یوں کہیں گے کہ:

حافظِ ملت علامہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی رحمہ اللہ کا باطن سراپا تصوف و روحانیت سے منور تھا۔ وہ صرف محدث و فقیہ نہیں بلکہ ایک حقیقی صوفی باصفا، باطنی رہنما اور سلوک و معرفت کے امین تھے۔ ان کے نزدیک تصوف، شریعت کا باطنی پہلو ہے جو ایمان کو یقین میں، اور علم کو حال میں بدل دیتا ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ بغیر شریعت کے طریقت محض سراب ہے۔ ان کی پوری زندگی اس حقیقت کی زندہ مثال تھی۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی مجلس علم کے ساتھ ذکر و فکر، محبت و ادب اور روحانی سکون کی آماجگاہ ہوا کرتی تھی، ان کا

تصوف خانقاہی رسم و رواج سے الگ، باطن کی اصلاح اور عمل کی پاکیزگی پر مبنی تھا۔ ان کی تعلیم یہی تھی کہ سالک راہِ حق پہلے اپنے نفس کو شکست دے، پھر خدمتِ خلق اور محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ قربِ الٰہی حاصل کرے۔ انھوں نے اولیاے کرام کی سیرت کو نقشِ قدمِ مصطفیٰ ﷺ قرار دیا اور عمر بھر اسی راہ پر گامزن رہ۔ ان کی نگاہ میں روحانیت، عبادت سے زیادہ اخلاق و کردار کی اصلاح میں جلوہ گر تھی۔ ان کے فیض یافتہ علما و مشائخ نے اس توازن کو آگے بڑھایا جس میں علمِ شریعت اور نورِ طریقت ایک ہی چراغ کی دو لہریں بن کر دنیا میں روشنی بکھیر رہی ہیں۔

"قلمی اثاثے" کے عنوان سے جس بات کی شیرازہ بندی کی گئی ہے اس میں حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کی قلمی آثار کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ "مکتوبات" میں مختلف علما و تلامذہ اور دیگر حضرات کے نام حافظ ملت علیہ الرحمہ کے لکھے گئے مکاتیب کو جمع کیا گیا ہے۔ یہ باب بھی انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے بعد علما و مشائخ کے تاثرات اور تعزیت نامے شاملِ کتاب ہیں۔ اخیر میں جانشینِ حافظ ملت کے حوالے سے مفید باتیں بھی شاملِ کتاب ہیں۔

بلا شبہ "جہانِ حافظ ملت جلد دوم" اپنی نوعیت کی ایک منفرد، جامع اور علمی و روحانی اہمیت کی حامل دستاویز ہے، اس میں حافظ ملت علیہ الرحمہ کی شخصیت کے وہ تمام پہلو نہایت خوش اسلوبی سے اجاگر کیے گئے ہیں جو کسی مردِ مومن، مصلحِ ملت، اور مربیِ امت کے جوہرِ کامل کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس کتاب کی امتیازی خوبی یہ ہے کہ ہر باب نہ صرف حافظ ملت کے علمی و فکری سرمایہ پر روشنی ڈالتا ہے بلکہ ان کی روحانی گہرائی، عملی بصیرت اور اصلاحی حکمتِ نظر کو بھی دلائل و شواہد کے ساتھ پیش کرتا ہے۔

مرتبِ کتاب حضرت مولانا اختر حسین فیضی مصباحی نے ادبی شائستگی کے ساتھ مختلف قلم کاروں کے مضامین کو یکجا کر کے حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی حیاتِ مبارکہ کے مختلف گوشوں کا ایسا دل آویز نقشہ کھینچا ہے جس میں قاری کو صرف سوانح نہیں بلکہ ایک پورا نظامِ فکر و حیات نظر آتا ہے۔ تعلیمی و تربیتی پہلو سے لے کر تصوف و روحانیت، سیاسی شعور اور قلمی خدمات تک ہر گوشہ اس مردِ کامل کی ہمہ جہت بصیرت کا مظہر ہے۔

"جہانِ حافظ ملت" کا مطالعہ دراصل ایک ایسی روحانی و فکری سیر ہے جس میں قاری کے دل میں علم کے ساتھ عشق، عقل کے ساتھ یقین اور ظاہر کے ساتھ باطن کی طلب بیدار ہوتی ہے۔ اس کتاب کی سطریں محض تاریخ نہیں بلکہ تحریک ہیں، وہ تحریک جو ایک ایسے نظامِ تعلیم، ایک ایسے طرزِ فکر اور ایک ایسے معاشرتی رویّے کی دعوت دیتی ہے جس کی بنیاد دین، اخلاق اور انسان دوستی پر قائم ہو۔

یوں کہا جا سکتا ہے کہ "جہانِ حافظ ملت" نہ صرف حافظ ملت علیہ الرحمہ کی حیات و خدمات کا مرقع ہے بلکہ اہلِ سنت و جماعت کی علمی و روحانی روایت کا زندہ استعارہ بھی ہے۔ یہ کتاب ہر عالم، محقق، مدرس اور طالبِ علم کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ حضور حافظِ ملت علامہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمۃ والرضوان کے فیوض و برکات کو تا قیامت جاری و ساری رکھے، حضور جلالۃ العلم کے افکار و تعلیمات کو نسلِ نو کے لیے مشعلِ راہ بنائے، اور مرتبِ گرامی حضرت مولانا اختر حسین فیضی مصباحی کی اس گراں قدر علمی و تحقیقی خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ مقبولیت عطا فرمائے اور ہمیں توفیق دے کہ ہم حافظِ ملت کی تعلیم و تربیت کے فیضان سے اپنی حیات بے ثبات کو دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران بنا سکیں۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلاۃ والتسلیم۔

❋❋

صدائے بازگشت

حفظانِ صحت کا کالم بہت کار آمد ہے

مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس مہینہ کا ماہ نامہ موصول ہوا، ہمیشہ کی طرح محبتوں سے مزیّن، ٹائٹل پیج سے لے کر عرس حافظ ملت کے اشتہار تک لفظ لفظ پر دل نے داد وتحسین بھی دی اور دعائیں بھی۔ اداریہ میں ہمارے محب گرامی وقار شاعر اہل سنت الحاج مہتاب پیامی نے بڑی خوب صورتی سے اس ذات مقدس کا اجمالی جائزہ پیش کیا ہے جن کی غلامی کا پٹا ہم غلامان غوث الاعظم کی گردنوں میں پڑا ہوا ہے۔

مولانا عبد المبین نعمانی قبلہ نے عہد حاضر کے سب سے اہم موضوع کو صفحات کی زینت بنایا ہے، اللہ ہم سب کو عمل کو توفیق عطا فرمائے۔ حفظان صحت کے تعلق سے جو کالم شائع ہوئے بہت کار آمد ہیں۔ خیابان حرم کا گوشہ تو دل کو مجلس حضرت حسان کی جلوہ باری تک رسائی کرا دیتا ہے۔ الحمد للہ

اگر نوجوانوں کے لیے سرکاری یا غیر سرکاری جاب (vacancy) کا ایک صفحہ مزید بڑھ جائے تو بہت بہتر قدم ہو سکتا ہے۔ اللہ سے دعا ہے دیار حضور حافظ ملت کے اس ترجمان کی ہمیشہ حفاظت فرمائے، نظر بد اور حاسدین سے محفوظ فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔ فقیر برکات واشرفی۔

از: **محمد اظہر نور اعظمی**، بیورو چیف: ہمارا سماج ماس میڈیا (اردو) اُترپردیش، مقیم حال: علی گڑھ

ماہ نامہ اشرفیہ رہ نمائی کا سرچشمہ ہے

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ

ماہنامہ اشرفیہ برصغیر ہند کی علمی، دینی اور روحانی فضا میں اپنی ایک منفرد پہچان رکھتا ہے اس کے اوراق نہ صرف قرآن و حدیث کی خوشبو بکھیرتے ہیں بلکہ فکر و نظر کی گہرائی اور بصیرت کے بھی آئینہ دار ہیں۔ اس کے مشمولات پر نظر ڈالنے سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ یہ رسالہ محض مطالعے کی لذت کے لیے نہیں بلکہ طالبِ علم، محقق اور اہلِ دل سب کے لیے رہنمائی کا سرچشمہ ہے فقہی مسائل ہوں یا عصری نظریات، شخصیات کی سوانح ہوں یا سماج و ملت کے حالات، ہر گوشے کو بڑے توازن اور متانت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

خصوصی طور پر ماہنامہ اشرفیہ کے شمارے میں محترم شاعرِ اسلام جناب مہتاب پیامی صاحب کا مضمون بعنوان ”ہجرتوں کا سنگم وسطی ایشیا کی تاریخ اور مسلم ورثہ“ پڑھنے کا موقع ملا اس فکرانگیز اور بصیرت افروز تحریر نے نہ صرف ماضی کے دریچے کھولے بلکہ آج کے حالات کو سمجھنے میں بھی نئی راہیں فراہم کیں۔ وسطی ایشیا کے تاریخی، تہذیبی اور روحانی پس منظر کو جس انداز میں قلم بند کیا گیا ہے وہ نہایت قابلِ تحسین ہے۔ خصوصاً سوویت نظام کے زوال کے بعد مسلم ریاستوں کے حالات اور وہاں کے مسلمانوں کی مذہبی و ثقافتی بیداری پر جو روشنی ڈالی گئی ہے وہ علمی سرمایہ بھی ہے اور فکری رہنمائی بھی۔

مصنف نے بجا طور پر یہ واضح کیا ہے کہ تاریخ کے مختلف ادوار میں ہجرت جدوجہد اور ایمان کی قوت نے ہمیشہ مسلمانوں کو زندہ رکھا ہے آج کے حالات میں بھی یہی پیغام

ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے کہ اپنی اسلامی تہذیب اور ورثے کی حفاظت کریں اور آنے والی نسلوں کو اس سے روشناس کرائیں۔

یہ حقیقت ہے کہ وسطی ایشیا کا خطہ محض جغرافیائی نہیں بلکہ اسلامی تاریخ کا ایک درخشاں باب ہے، جسے نظر انداز کرنا ہماری فکری تنگی ہوگی۔ مہتاب پیامی صاحب نے بڑی مہارت کے ساتھ اس باب کو اجاگر کیا ہے۔

ہم اُمید کرتے ہیں کہ ماہنامہ اشرفیہ مستقبل میں بھی ایسے علمی و تحقیقی مضامین کی اشاعت کا سلسلہ جاری رکھے گا تاکہ قارئین ماضی کے روشن ورثے کو سمجھ کر حال و مستقبل کی رہنمائی حاصل کر سکیں۔

اہلِ قلم نے اپنی کاوشوں سے اس مجلہ کو علم و ادب، تحقیق و تدریس، اور اصلاحِ معاشرہ کا حسین امتزاج بنا دیا ہے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ماہنامہ اشرفیہ دین و شریعت کا ترجمان اور فکرِ اسلام کی صحیح ترجمانی کا ایک مضبوط منبر ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ادارہ اشرفیہ اور اس کے خدام کو مزید ترقی و عروج عطا فرمائے، اور یہ ماہنامہ آنے والی نسلوں کے لیے روشنی کا مینار اور علمی دنیا میں رہنمائی کا مستند سرمایہ بنتا رہے آمین۔

از: ذوالنورین

نظامی انجمن نور حرا، ٹانڈہ

اخلاقِ نبوی اور موجودہ مسلم قیادت

مکرمی اسلام کی پوری تاریخ میں سب سے بڑی انقلابی قوت رسول اکرم ﷺ کے اخلاق تھے۔ قرآن مجید نے فرمایا "وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ "(القلم:4)

کہ آپ اخلاقِ عظیم پر فائز ہیں اور فرمایا "وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ "(الانبیاء:107)

کہ آپ سراپا رحمت ہیں۔ ان دو آیات سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ نبوتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بنیاد صرف عقیدے پر نہیں بلکہ ایک جامع اخلاقی نظام پر ہے۔ یہی نظام ہے جس نے عرب کی سخت گیر اور جاہل معاشرت کو انسانی وقار، مساوات اور عدل کی اعلیٰ قدروں میں ڈھال دیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت میں قیادت اور اخلاق الگ الگ نہیں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کے ابتدائی دور میں بھی اور مدینہ کی ریاست قائم ہونے کے بعد بھی اپنی قیادت کو خدمتِ خلق اور عدل پر استوار رکھا۔ صلح حدیبیہ کی مثال لیجیے:

معاہدہ بظاہر مسلمانوں کے حق میں یک طرفہ نظر آرہا تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبر، حکمت اور دور اندیشی کے ساتھ اس پر دستخط کیے، نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام چند سال میں پورے عرب میں پھیل گیا۔ اسی طرح فتح مکہ کا منظر دیکھیے: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے جانی دشمنوں کو عام معافی دیتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں:

«اذهبوا فأنتم الطلقاء»(ابن ہشام، السیرۃ النبویہ)

یہ ایسا عدیم المثال اخلاقی رویہ تھا جس نے دشمنوں کے دل جیت لیے۔

ان دونوں واقعات سے یہ پیغام ملتا ہے کہ قیادت میں بلند اخلاق، حلم اور عدل سب سے بڑی حکمتِ عملی ہے۔

آج جب ہم مسلم قیادت پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ معیار ہمیں کہیں نظر نہیں آتا۔ بدعنوانی، اقرباپروری، مذہب کے نام پر سیاست اور عوامی مسائل سے لاتعلقی مسلم دنیا کا عمومی منظر نامہ بن چکا ہے۔ بین الاقوامی اداروں کی رپورٹس بتاتی ہیں کہ بیشتر مسلم ممالک میں کرپشن، احتساب کا فقدان اور عوامی اعتماد کی شدید کمی ہے۔ مدارس کے نظام میں بھی کئی جگہ جمود اور تقسیم در تقسیم نظر آتی ہے تعلیم و تربیت کے بجائے بعض جگہ فرقہ واریت اور سیاست کا غلبہ ہے مسلم خواتین خصوصًا نوجوان لڑکیاں سماجی دباؤ، ناقص تعلیمی مواقع اور جہیز جیسی رسومات کی وجہ سے سخت مشکلات میں ہیں۔ متعدّد کیسز میں شادی نہ ہو پانے، سماجی بے

راہ روی اور دینی کم علمی کے باعث ارتداد یا مذہبی وابستگی کمزور ہونے کے واقعات سننے میں آتے ہیں۔ یہ سب مسائل اس بات کا اعلان ہیں کہ قیادت اپنی اصل ذمہ داری پوری نہیں کر رہی۔

اسلام میں قیادت کا تصور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت سے جڑا ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ" (بخاری:7138؛ مسلم:1829) یعنی ہر ایک نگران ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے۔

اس حدیث کی روشنی میں مسلم قیادت کا پہلا فریضہ عوام کی فلاح ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ہاں قیادت اکثر مراعات اور عہدوں کے لیے ہے، عوامی خدمت کے لیے نہیں۔ نتیجہ یہ کہ سماج میں غربت بڑھ رہی ہے، تعلیم اور صحت کے شعبے کمزور ہیں، نوجوان بے روزگار اور مایوس ہیں، مدارس جدید تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ہو رہے، خواتین کے لیے معاشی و تعلیمی مواقع محدود ہیں اور جہیز جیسی رسم نے معاشرتی نظام کو دبوچ رکھا ہے۔

اخلاق نبوی کا تقاضا ہے کہ قیادت کو اقتدار نہیں بلکہ امانت سمجھا جائے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طرزِ عمل کو دیکھا جائے تو ریاست مدینہ میں شوریٰ کا نظام، بیت المال کی شفافیت، انصاف کی مساوی فراہمی اور اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت سب واضح مثالیں ہیں۔ قرآن میں کہا گیا "وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ" (الشوریٰ:38) کہ مسلمانوں کے معاملات مشورے سے طے ہوتے ہیں۔

آج مسلم قیادت کو بھی چاہیے کہ وہ حقیقی مشاورتی نظام قائم کرے، عوامی رائے کا احترام کرے، احتساب کو ادارہ جاتی سطح پر نافذ کرے اور وسائل کی منصفانہ تقسیم کرے۔

اسی طرح معاشرتی مسائل جیسے جہیز، تعلیم کی کمی، خواتین کی محرومیت اور مذہبی تربیت کے فقدان پر ریاست اور قیادت کو فعال کردار ادا کرنا چاہیے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاشرے میں نکاح آسان کیا، جہیز یا بھاری خرچ کا تصور نہ تھا بلکہ سادگی اور برکت تھی۔ مسلم قیادت کو چاہیے کہ اسی سنت کے مطابق قانون سازی اور سماجی اصلاحات کرے تاکہ نوجوان نسل محفوظ رہے اور بچیوں کی شادیاں سہل ہوں۔ مدارس کے نظام کو عصری علوم، اخلاقی تربیت اور سماجی خدمت کے ساتھ جوڑا جائے تاکہ وہاں سے صالح قیادت پیدا ہو۔

اخلاق نبوی ہمیں سکھاتا ہے کہ قیادت ایک مسلسل خدمت اور مسلسل جواب دہی کا نام ہے۔ یہ رویہ اگر مسلم قیادت اپنا لے تو عوام کی حالت بدلے گی، کرپشن ختم ہوگی، مدارس کی اصلاح ہوگی، خواتین اور نوجوان محفوظ ہوں گے اور جہیز جیسی برائیاں ختم ہوں گی۔ قیادت اگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت سے سبق لے تو سماج میں امید پیدا ہوگی اور امت کے مسائل حل ہوں گے۔

آخر میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اخلاق نبوی ایک آسمانی اصول نہیں جو صرف تاریخ میں تھا بلکہ ایک عملی نظام ہے جسے آج بھی نافذ کیا جا سکتا ہے۔ قرآن اور سنت کی یہ تعلیمات ہر دور میں قابلِ اطلاق ہیں۔ آج کی مسلم قیادت اگر عدل، امانت، شفافیت، شوریٰ، خدمتِ خلق اور خواتین و نوجوانوں کی فلاح کو اپنی پالیسی کا حصہ بنا لے تو وہ نہ صرف دنیاوی اعتبار سے کامیاب ہوگی بلکہ آخرت میں بھی سرخرو ہوگی۔ بصورتِ دیگر قیادت محض اقتدار کا کھیل رہے گی اور امت مزید انتشار کا شکار ہوگی۔

اخلاق نبوی اور آج کی مسلم قیادت دو الگ باتیں نہیں بلکہ ایک ہی سلسلہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا اصل سبق یہ ہے کہ اخلاق، عدل اور خدمت کے بغیر قیادت محض دعویٰ ہے۔ آج مسلم قیادت کو چاہیے کہ ان اصولوں کو زندہ کرے تاکہ امت کو عزت، وقار اور استحکام نصیب ہو اور دنیا میں ایک مرتبہ پھر اسلام کا عملی نمونہ قائم ہو سکے۔

از: انیس الرحمٰن حنفی رضوی، بہرائچ شریف

غزہ جنگ بندی کے بعد غزہ میں دیرپا امن اور تعمیر نو کا راستہ کیسا ہوگا؟ کیوں ہیں شکوک وشبہات

13 اکتوبر 2025۔ غزہ میں جنگ بندی کے نتیجے میں اسرائیلی یرغمالیوں کی آزادی اور اسرائیل کے زیر حراست فلسطینی قیدیوں کی رہائی ہوئی۔ یہ ایک طویل اور تکلیف دہ عمل کا خاتمہ تھا۔ آنے والے ہفتوں، مہینوں اور سالوں میں صرف غزہ کی تعمیر نو ہی ایک اہم مسئلہ نہیں ہے۔ امن منصوبے کی اہم تفصیلات غیر حل شدہ رہ سکتی ہیں۔ منصوبے کو آگے بڑھانے اور جنگ کو دوبارہ شروع ہونے سے روکنے کے لیے اہم اور باریک تفصیلات پر بات چیت کی ضرورت ہوگی۔ طویل المدتی امن، استحکام اور حتمی تعمیر نو کا راستہ ایک طویل اور انتہائی تیز راستہ ہو سکتا ہے۔

ڈونلڈ ٹرمپ نے 13 اکتوبر کو مصر میں غیر ملکی رہنماؤں کے ساتھ غزہ کے مستقبل کے بارے میں سربراہی اجلاس کے لیے کھڑے ہوتے ہوئے کہا کہ ”امن کے لیے پہلے قدم ہمیشہ مشکل ترین ہوتے ہیں۔“ انھوں نے اسرائیل اور حماس کے درمیان غزہ میں جنگ کے خاتمے اور تباہ شدہ علاقے کی تعمیر نو کے آغاز کے طور پر کی جانے والی جنگ بندی کے معاہدے کو سراہا۔ اور جب کہ ٹرمپ نے اس امید کا اظہار کیا کہ سب سے مشکل حصہ ختم ہو گیا ہے تو غزہ کو دوبارہ تعمیر کرنا شاید سب سے آسان حصہ ہونے والا ہے۔ ٹرمپ نے کہا، میرے خیال میں ہم نے بہت مشکل کام انجام دے دیا ہے کیوں کہ باقی سب ساتھ مل کر ہو جائیں گے۔

7 اکتوبر 2023 کو اسرائیل پر حماس کے حملوں کے ساتھ جنگ شروع ہونے کے بعد سے، جنگ میں عارضی وقفے اور یرغمالیوں اور قیدیوں کے محدود تبادلے کے علاوہ دو دیگر جنگ بندی بغیر کسی پیش رفت کے آئیں اور چلیں گئیں۔ حماس کی طرف سے جنگ کو مستقل طور پر روکنے اور اسرائیل کی جانب سے تمام یرغمالیوں کی رہائی کے مطالبے کے ساتھ، جنگ کے بعد کے انتظامات پر بات چیت کبھی بھی زمین پر نہیں آئی۔ ٹرمپ کے دوبارہ منتخب ہونے کے بعد ان پوزیشنوں میں تبدیلی آنا شروع ہوئی کیوں کہ انھوں نے اپنی طاقت اور تعلقات کو چیزوں کو آگے بڑھانے کے لیے استعمال کیا۔ اس تازہ ترین معاہدے کے لیے جوش و خروش کے باوجود، شکوک و شبہات کی کئی وجوہات ہیں، جن میں سے کم از کم یہ ہے کہ اسرائیل فلسطین تنازع کو ختم کرنے کی امریکی کوششیں کئی دہائیوں سے ناکام رہی ہیں۔

1991 کی میڈرڈ کانفرنس، 1993 اور 1995 میں تاریخی اوسلو معاہدے اور 2014 تک اس عمل کو دوبارہ شروع کرنے کی تمام کوششیں ناکام ہو گئیں۔ مڈل ایسٹ انسٹی ٹیوٹ کی ایک سینئر فیلو اوسی کرٹزر ایلین بوگن نے کہا کہ موجودہ جنگ بندی ایک خوش آئند اور بامعنی لیکن نازک وقفہ ہے۔ انھوں نے کہا، اب یہ ایک سوال ہے کہ یہ مکمل طور پر نافذ ہوتی ہے یا نہیں۔ ٹرمپ انتظامیہ کی طرف سے پیش کی گئی امن تجویز میں، یہ واضح نہیں ہے کہ دو سب سے بڑے اہم نکات پر کس حد تک معاہدے ہوئے ہیں: اسرائیل کے انخلا کی حد اور حماس کی اقتدار سے دستبرداری کی حد۔ کیونکہ غزہ کے تقریباً نصف حصے پر اسرائیل کا کنٹرول برقرار ہے۔ حماس، دو سال کی جنگ کے بعد کمزور ہونے کے باوجود، حکمرانی سے دور ہے اور نتن یاہو کی کوشش کے مطابق مکمل طور پر

غیر مسلح ہے۔ نتن یاہو حکومت سخت گیر اتحادی شراکت داروں پر انحصار کرتی ہے جو جنگ کے خاتمے کی مخالفت کرتے ہیں، اور اسے ختم کرنے کا اعلان کرتے ہوئے، نتن یاہو اپنی حکومت کو گرتے ہوئے دیکھ سکتے ہیں اور ایسے وقت میں قبل از وقت انتخابات پر مجبور ہو سکتے ہیں۔ اسرائیل میں اگلا الیکشن اگلے اکتوبر میں ہونا ہے۔ یہ بھی واضح نہیں ہے کہ نام نہاد "بورڈ آف پیس" کی نگرانی کون کرے گا، جس کی صدارت ٹرمپ کرنے والے ہیں۔ ٹرمپ کے اس اعلان کے باوجود کہ سابق برطانوی وزیر اعظم ٹونی بلیئر بورڈ کی سربراہی میں مدد کریں گے، صدر نے اتوار کو اس آواز کو بھی عارضی قرار دیا۔ بلیئر کی ممکنہ شمولیت پر فلسطینیوں نے ناراضگی کا اظہار کیا ہے۔

ورلڈ بینک، اقوام متحدہ اور یورپی یونین نے اس سال کے شروع میں اندازہ لگایا تھا کہ غزہ کی تعمیر نو پر تقریباً 53 بلین ڈالر لاگت آئے گی۔ دولت مند عرب ریاستوں سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ اس لاگت میں مدد کریں گے، لیکن اس یقین دہانی سے حصہ لیا جائے گا کہ یہ فلسطین کی آزادی کا راستہ ہوگا اور جنگ کی طرف واپسی نہیں ہوگی۔ سب سے بڑا اہم نکتہ فلسطینی ریاست ہے، جسے ٹرمپ کا منصوبہ غزہ میں طویل عبوری دور اور فلسطینی اتھارٹی کے لیے اصلاحاتی عمل کے بعد ہی ممکن بناتا ہے۔ یہ وہ چیز ہے جس کی نتن یاہو اور ان کے ساتھی مخالفت کرتے ہیں۔

یعقوبیان نے کہا کہ ٹرمپ انتظامیہ کی طرف سے کیا گیا معاہدہ فلسطینی ریاست کے معاملے پر مبہم لگتا ہے۔

پیر کی رات امریکہ واپس جاتے ہوئے، ٹرمپ نے آزاد فلسطینی ریاست کے بارے میں سوالات کو ایک طرف دھکیل دیا اور صحافیوں کو بتایا جو غزہ کی تعمیر نو کے ان کے منصوبے سے الگ تھا۔ ٹرمپ نے کہا، بہت سے لوگ ایک ریاستی حل پسند کرتے ہیں۔ کچھ لوگ دو ریاستی حل پسند کرتے ہیں۔ ہمیں دیکھنا پڑے گا۔ انھوں نے مزید کہا: "کسی وقت میں فیصلہ کروں گا کہ مجھے کیا لگتا ہے، لیکن میں دوسری ریاستوں اور دوسرے ممالک کے ساتھ ہم آہنگی میں رہوں گا۔"

"غزہ میں امن کا مطلب یہ نہیں کہ نسل کشی معاف کر دی جائے"

اسپین کے وزیر اعظم پیدرو سانچیز کا بیان، کہا کہ غزہ میں امن، انصاف کی قیمت پر قائم نہیں ہونا چاہیے۔

(ایجنسی)۔ اسپین کے وزیر اعظم پیدرو سانچیز نے کہا ہے کہ غزہ میں امن، انصاف کی قیمت پر قائم نہیں ہونا چاہیے۔ علاقے میں ظلم کرنے والوں کو اپنے جرائم کا جواب دینا چاہیے۔

سانچیز نے منگل کو 'کاڈینا ایس ای آر ریڈیو' کے ساتھ ایک انٹرویو میں یہ بات کہی ہے۔ انھوں نے مزید کہا ہے کہ غزہ میں نسل کشی کے ذمہ داروں کو انصاف کے کٹہرے میں لایا جانا چاہیے۔ سانچیز نے جنگ کوسووا کے دوران اقوام متحدہ میں اپنے فرائض کے دور کو یاد کیا اور کہا ہے کہ اس دور کے بعد جنگی مجرموں پر مقدمات چلائے گئے۔ اس وقت بھی ہمارے سامنے بہت کام ہے اور جواب کے منتظر بہت سے سوالات ہیں۔ سانچیز نے کہا ہے کہ اسپین اور یورپ امن کی کوششوں میں اہم کردار ادا کریں گے۔ ہم صرف تعمیر نو میں ہی نہیں بلکہ دو ریاستی حل اور بین الاقوامی قانون پر مبنی امن کے قیام میں بھی موثر کردار ادا کریں گے۔ انہوں نے غزہ میں امن قائم رکھنے کیلئے بحیثیت امن فورس ہسپانوی فوج بھیجنے کا امکان بھی ظاہر کیا ہے۔ سانچیز نے تصدیق کی ہے کہ جب تک جنگ بندی پائیدار نہیں ہو جاتی اور یہ مرحلہ مستقل مزاجی کے ساتھ امن کی طرف نہیں بڑھ جاتا، میڈرڈ اسرائیل پر ہتھیاروں کی پابندی برقرار رکھے گا۔ انہوں نے کہا ہے کہ تشدد کا خاتمہ بہت اہم پہلو ہے اور یہ وقت ہمارے لئے اسرائیل اور فلسطین کے درمیان مذاکرات کے انعقاد اور دو ریاستوں کو تسلیم کرنے کا ایک اہم موقع ہے۔

*****

سرگرمیاں

خیروخبر

چالیسواں عرس رفیقی اور رفیق العلما سیمینار کا انعقاد

ڈیرہ پور ضلع کان پور دیہات میں واقع آستانہ عالیہ چشتیہ رفیقیہ میں تلمیذ صدر الشریعہ حضرت علامہ شاہ رفیق الحسن چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا چالیسواں عرس پاک منعقد ہوا، عرس کی تمام تقریبات صاحب سجادہ حضرت مفتی محمد انفاس الحسن چشتی شیخ الحدیث وصدر شعبۂ افتا وقضا جامعہ معلم کائنات ڈیرہ پور کی قیادت میں منعقد ہوئیں۔ ۱۷؍ ربیع الاول شریف کو صبح نو بجے سے ”رفیق العلما سیمینار“ کا انعقاد ہوا، جس کی صدارت خیر الاذکیا حضرت علامہ محمد احمد مصباحی ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارک پور اور سرپرستی شیخ طریقت حضرت علامہ شاہ سید محمد انور میاں چشتی نے فرمائی، ملک کے مختلف خطوں سے تشریف لانے والے علما و مشائخ اور ارباب فکر وقلم نے شرکت فرمائی۔

اس سیمینار میں حضرت رفیق العلما علیہ الرحمہ کی حیات وخدمات اور اوصاف وکمالات کے مختلف گوشوں پر متعدّد اہل قلم نے مقالات پیش کیے، جن میں حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی، مفتی مجاہد حسین رضوی مصباحی، مولانا نفیس احمد قادری مصباحی، مولانا مفتی صدر الوری قادری مصباحی، مفتی عبد الحکیم نوری مصباحی، مولانا کرامت علی برکاتی مصباحی، مفتی غلام محبوب سبحانی چشتی ازہری، مفتی عبد الخبیر اشرفی مصباحی، مولانا اختر حسین فیضی مصباحی، مولانا توفیق احسن برکاتی مصباحی، مفتی محمد ساجد رضا مصباحی، مولانا محمد فہیم مصباحی، مولانا غلام جیلانی مصباحی، مفتی شہاب الدین مصباحی، مولانا سبحان رضا مصباحی، مولانا رئیس اختر مصباحی، مولانا ضیاء الدین مصباحی، مفتی آفتاب عالم چشتی، مفتی محمد سیف مصباحی وغیرہ کے اسما خاص طور سے شامل ہیں۔ صدر سیمینار حضرت علامہ محمد احمد مصباحی نے خطبۂ صدارت اور علامہ مفتی محمد انفاس الحسن چشتی نے خطبۂ استقبالیہ پیش فرمایا۔

شب میں بعد نماز عشا جلسۂ عام کا انعقاد ہوا، جس میں خطیب آستانہ حضرت سید محمد مظہر میاں چشتی پھپھوند شریف، سراج الفقہا حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی، حضرت مفتی محمد مجاہد حسین رضوی، حضرت علامہ صدر الوریٰ قادری مصباحی وغیرہ نے مختلف موضوعات پر گراں قدر خطبات پیش کیے، جامعہ معلم کائنات ڈیرہ پور اور مدرسہ محمدیہ مصباح العلوم ڈیرہ سے فارغ ہونے والے علما اور حفاظ کے سروں پر دستار باندھی گئی۔

چالیسواں عرس رفیقی کے موقع پر جماعت اہل سنت کے دو بزرگ علما سراج الفقہا حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی اور عمدۃ المدرسین حضرت مفتی محمد مجاہد حسین رضوی مصباحی کو ان کی دینی، علمی، تبلیغی اور تصنیفی خدمات کے اعتراف میں بالترتیب حضرت عثمان غنی ایوارڈ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ایوارڈ پیش کیا گیا، اور تحریک دعوت انسانیت کے شعبۂ نشر واشاعت سے شائع ہونے والے کتب (۱) حیات رفیق العلما (۲) ارشادات رسول انور (۳) گمراہ فرقوں کا تعارف (۴) اسلامیات کورس سال چہارم (۵) اسلامیات کورس سال پنجم کی رسم اجرا علما و مشائخ کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ شب کے اجلاس عام کے اخیر میں سامعین کے فقہی وشرعی سوالات کے جوابات صاحب سجادہ حضرت علامہ مفتی محمد انفاس الحسن چشتی نے دیے۔ ۱۸؍ ربیع الاول شریف کو بعد نماز فجر موے مبارک شریف اور دیگر تبرکات کی زیارت کرائی گئی، صبح آٹھ بجے قل کی محفل کا آغاز ہوا، شعرا نے منظوم خراج عقیدت پیش کیا، شہزادگان انفاس ملت حضرت مولانا عبید الحسن چشتی (سچے میاں) اور حافظ اسید الحسن چشتی (بلال میاں) نے مختصر خطاب کیا، اخیر میں صاحب سجادہ حضرت انفاس ملت نے نصیحتوں سے لبریز الوداعی خطاب فرمایا، قل خوانی ہوئی اور دوروزہ عرس رفیقی بحسن وخوبی اختتام پذیر ہوا۔

پروگرام کے اہتمام وانصرام میں حضرت مولانا عبید الحسن چشتی، حضرت مفتی غلام محبوب سبحانی چشتی وغیرہ کی خصوصی کوششیں شامل رہیں، تحریک دعوت انسانیت کے تمام ارکان وممبران، جامعہ معلم کائنات کے اساتذہ نے خاص طور سے اپنا تعاون پیش کیا۔

رپورٹ: شعبۂ نشر واشاعت تحریک دعوت انسانیت

خیابانِ حرم

آدمی کو آدمی سمجھا گیا

کفر کو دامن سے جب جھٹکا گیا
جلوۂ حق آنکھ سے دیکھا گیا

آپکا سونا کھرا مانا گیا
ہر طرح جانچا گیا، پرکھا گیا

زندگی کو رہ نمائی مل گئی
جینے مرنے کا سلیقہ آگیا

آپ کے نقشِ قدم پر چل پڑا
راہ بر بن کر اجالا چھا گیا

تھے مخالف آپ کے اہلِ وطن
آپ کو صادق مگر مانا گیا

آپ کی تبلیغ سے فتنے چھٹے
آدمی کو آدمی سمجھا گیا

بن گئی سب کے لیے راہِ نجات
آپ کی سیرت کو جب برتا گیا

سرفرازی ہے مِری اس میں جمال
نعت گو مجھ کو اگر مانا گیا

جمالؔ کاکوی، پٹنہ:7870662357

دیکھ رہے ہیں

وہ بارگہِ لطف و عطا دیکھ رہے ہیں
ہیں دونوں جہاں جس پہ فدا دیکھ رہے ہیں

جو راہِ شہنشاہِ عطا دیکھ رہے ہیں
وہ رب کی عطا صبح و مسا دیکھ رہے ہیں

گیسوے معنبر کی حسیں کالی گھٹا میں
با شوقِ نظر ابرِ سخا دیکھ رہے ہیں

موسیٰ کے لیے طور بنا اوجِ معلیٰ
اسریٰ میں نبی عرشِ علیٰ دیکھ رہے ہیں

بچنے کے لیے عادلِ مطلق کے غضب سے
حسرت سے فقط ان کی ردا دیکھ رہے ہیں

قرآں کی تجلی میں محبت کی نظر سے
ہم جلوۂ محبوبِ خدا دیکھ رہے ہیں

یثرب تھا کبھی نام پر آقا کے کرم سے
اب خاکِ مدینہ میں شفا دیکھ رہے ہیں

جاں دے کے رہِ حق میں شہیدانِ محبت
جنت کی حسیں آب و ہوا دیکھ رہے ہیں

وصفِ شہِ والا میں محبت کے قلم کو
سلطاںؔ بس اب نغمہ سرا دیکھ رہے ہیں

محمد سلطان، جلال پور:9554908415

کوئی احمد رضا ڈھونڈو

شعور بندگی، حسن ادب، نظمِ وفا ڈھونڈو
رضا کی زندگی میں عشق کی آب و ہوا ڈھونڈو
نمازوں کی محبت، دین کی خدمت کا ہر گوشہ
وفا پیکر میں آؤ دوستو! شرم و حیا ڈھونڈو
کلام پاک کا ہو ترجمہ یا نعتیہ دیواں
بیانِ شرع دیں کا ہر جگہ رنگِ جدا ڈھونڈو
یہ عشق سرور کون و مکاں کی تیز گامی ہے
کہ خامہ خنجر خوں خوار تھا اس کی وجہ ڈھونڈو
کیا سیراب فکر و فن کا ہر اک گلستاں اس نے
چمن میں ہر طرف پھیلی ہوئی اس کی نوا ڈھونڈو
فتاوی اس کے تحقیق و شعور دیں کے شاہد ہیں
چلو فتوی نویسی میں کوئی احمد رضا ڈھونڈو
نظام شعر گوئی کے لوازم کی چمن بندی
حدائق میں بلاغت کا حسیں رنگ ثنا
نبی کی عظمت و ناموس کا سچا محافظ تھا
خدا کی شان کا جلتا ہوا نوری دیا ڈھونڈو
سمندر موجزن تھا آگہی کا زندگانی میں
اساطین ادب کی زندگی کا آئنہ ڈھونڈو
رضاؔ نے ڈھونڈ لی اللہ کی سچی رضا احسنؔ
چلو تم بھی رہ دیں پر رضائے مصطفیٰ ڈھونڈو

توفیق احسن برکاتی

R.N.I. No. 29292/76
Regd. No. AZM/N.P.28 2023-25

THE ASHRAFIA MONTHLY

Mubarakpur Azamgarh (U.P.) 276404 (INDIA)

NOV 2025

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں ۵۱ واں

عرس حضور حافظ ملت

جلالۃ العلم ابوالفیض علامہ شاہ عبد العزیز علیہ الرحمۃ والرضوان محدث مرادآبادی بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

ولادت ۱۳۱۲ھ / ۱۸۹۴ء
وصال ۱۳۹۶ھ / ۱۹۷۶ء

زیر سرپرستی

حضرت عزیز ملت علامہ شاہ **عبد الحفیظ** صاحب قبلہ دام ظلہ العالی
جانشین حضور حافظ ملت
و سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ

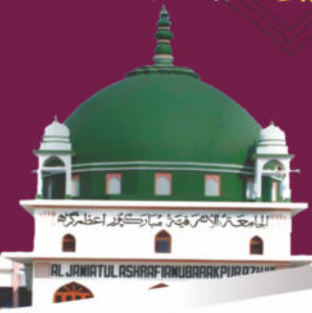

اور جلسہ دستار فضیلت

تقریبات

پہلا دن

بعد نماز فجر: قرآن خوانی بر قیام گاہ حافظ ملت علیہ الرحمہ
بعد نماز ظہر: جلوس چادر از قیام گاہ حافظ ملت علیہ الرحمہ
بعد نماز عشا: اجلاس عام

دوسرا دن

بعد نماز فجر: قرآن خوانی و فاتحہ شریف 8:30 بجے صبح بر روضۂ حافظ ملت علیہ الرحمہ
بعد نماز عصر: چادر پوشی و گل پوشی مزار پاک
بعد نماز عشا: اجلاس و دستار بندی فارغین جامعہ
قل شریف: رات ۱۱ ربج کر ۵۵ منٹ پر

بتاریخ

۳۰ جمادی الاولیٰ و
یکم جمادی الآخرہ ۱۴۴۷ھ

مطابق

۲۲، ۲۳ نومبر ۲۰۲۵ء
سنیچر، اتوار

عرس حافظ ملت کا پیغام نماز با جماعت کا اہتمام

تنبیہ عرس کی تقریبات میں ڈھول باجا، عورتوں کی حاضری اور کوئی بھی غیر شرعی امر ہرگز برداشت نہیں کیا جائے گا۔

51st URS-E-HUZOOR HAFIZ-E-MILLAT

AL-JAMIATUL ASHRAFIA MUBARAKPUR, AZAMGARH

22 23
November 2025
Saturday, Sunday

شائع کردہ: ارکان حافظ ملت عرس کمیٹی مبارک پور ضلع اعظم گڑھ (یوپی)